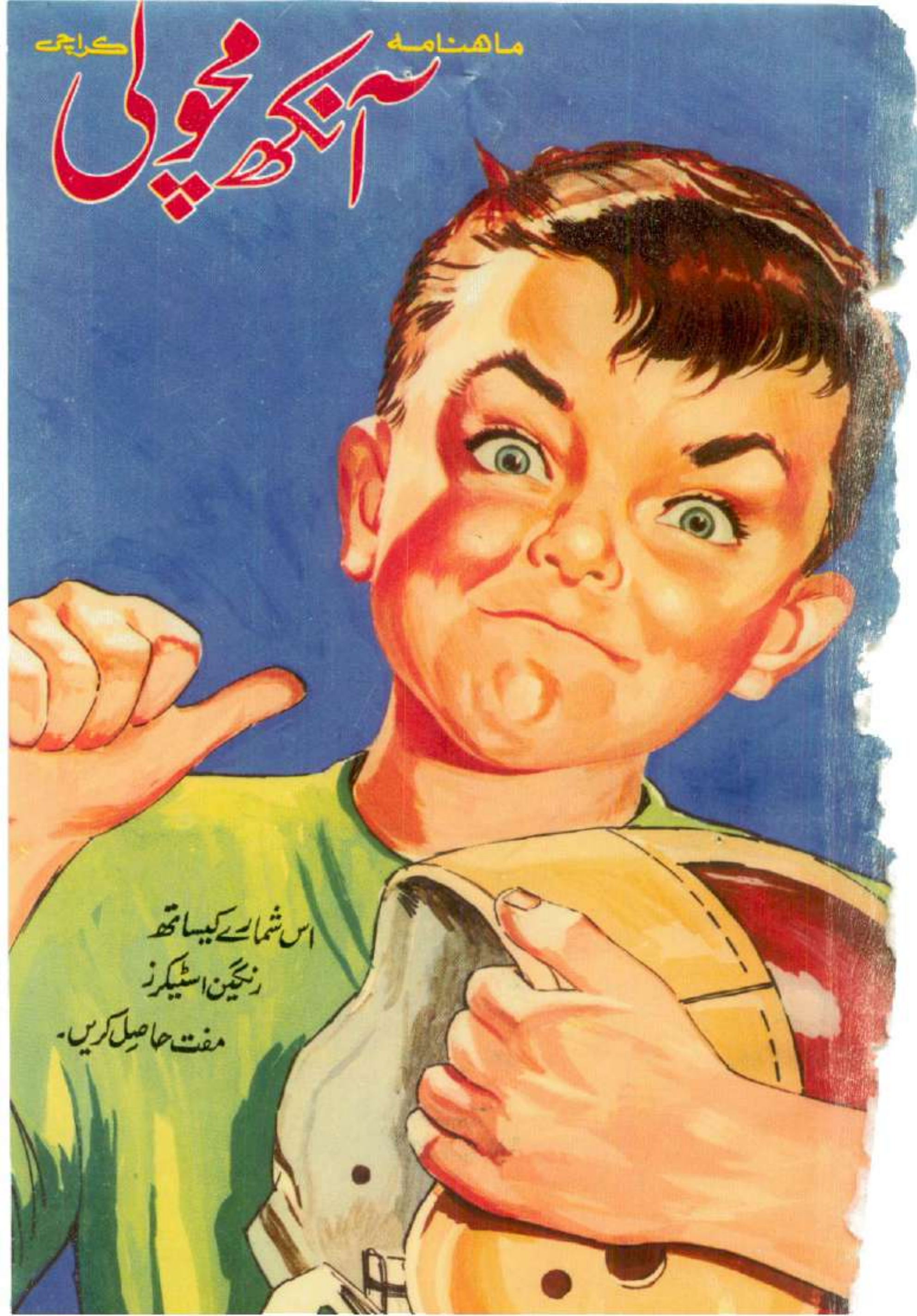
ماہنامہ
آنکھ مچولی
کراچی
اس شمارے کیساتھ
رنگین اسٹیکرز
مفت حاصل کریں۔

اچھا!
بہت ہی اچھا
اچھی!
بہت ہی اچھی
اچھا!
بہت ہی اچھا
اچھا!
بہت ہی اچھا
قومی مشروب
نورس
اچھا تو ہے نورس کے
بہت ہی اچھا نورس سے

ماہنامہ
آنکھ مچولی
کراچی

جلد نمبر ۱ — شمارہ نمبر ۳

ستمبر ۱۹۸۶ء، ذی الحجہ، محرم ۱۴۰۶ھ

سرپرست
ڈاکٹر ابواللیث صدیقی

مدیر اعلیٰ
ظفر محمود شیخ

مدیر مسئول
تجمل حسین چشتی

مدیران اعزازی
امجد اسلام امجد
محمد سلیم مغل

قانونی مشیر (اعزازی)
خواجہ عدیل احمد (ایڈوکیٹ)

ناظم اشتہارات و سرکولیشن
طارق ظفر برنی

کیلی گرافی
رئیس الحسن

قیمت: ۵ روپے

زر سالانہ: مع خصوصی شمارے
عام ڈاک سے: ۴۰ روپے
بذریعہ رجسٹری
۷۰ روپے

ماہنامہ آنکھ مچولی کراچی میں شائع ہونے والی کہانیاں اور ان کے کردار اور واقعات فرضی ہیں کسی اتفاقیہ مماثلت کی صورت میں ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا

ناشر: ظفر محمود شیخ طابع: زاہد علی مطبع: الاریب پرنٹنگ پریس ایم اے جناح روڈ کراچی مقام اشاعت: ۱۱۲-ڈی-سائٹ کراچی ۱۶

گرین گائیڈ اکیڈمی- زیرِ سرپرستی (ضمیر الدین میموریل آرگنائزیشن) ۱۱۲-ڈی- نورس روڈ- سائٹ-کراچی ۱۶

حسنِ ترتیب

۳۹ تیرے غازی تیرے جانباز
۱۳ داستانِ شجاعت
۳۳ قائدِ اعظم ہمارے محسن
۵۱ [illegible]
۱۷ [illegible]
۷۵ [illegible]
۱۵ [illegible]
۱۱۵ [illegible]
۶۵ [illegible]
۵۹ پہیلیاں
۸۵ دائرہ معلومات
۲۸ آٹو گراف
۹۴ کلاس روم
۱۰۶ جن دادا آپ
۵ ڈاک ڈاک کس کی ڈاک
۷۵ رشین گیمز
۸۱ لفٹ وار مطیع
۹۱ [illegible]
۲۶ [illegible]
۵۵ [illegible]

غیر ممالک کے لئے
سالانہ شرح خریداری

متحدہ عرب امارات، عمان، البحرین، قطر
دبئی، ایران، عراق، سعودی عرب، کویت،
شام، ترکی، انڈونیشیا، بھارت، برما،
سنگاپور، فلپائن،

۱۵۰ —— روپے

آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، امریکہ، کینیڈا،
ارجنٹائن، جمیکا، میکسیکو، پاناما،

۳۰۰ —— روپے

بنگلہ دیش، تھائی لینڈ، چین، جاپان،
کوریا، برطانیہ، مغربی جرمنی، ڈنمارک،
ناروے، فرانس، بلجیم، یونان، یوگوسلاویہ،
زیمبیا، الجیریا، نائیجیریا، آسٹریا، اٹلی،
اسپین، سویڈن، ہالینڈ، جنوبی افریقہ، تنزانیہ،
گینیا، تیونس، سوڈان، مصر، یوگنڈا، گنی،

۲۰۰ —— روپے

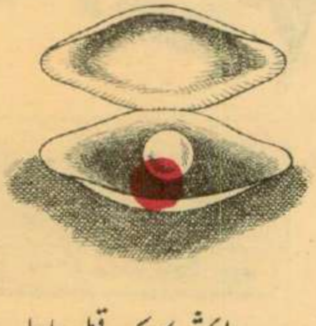

اچھی بات

بارش کا ایک قطرہ بادل سے زمین پر ٹپکا لیکن جب اُس نے دریا کی وسعت کو دیکھا تو اپنے وجود پر بہت شرمندہ ہوا اور کہنے لگا کہ اتنے بڑے دریا کے سامنے میری کیا حقیقت ہے؟

قطرے نے بڑائی کے راستے سے ہٹ کر خود کو کمتر جانا اور عجز کا راستہ اختیار کیا تب ایک صدف نے اُسے اپنے آغوش میں لے لیا اور دل و جان سے اُس کی پرورش کی اور یوں وہ قطرہ ایک گوہر نایاب بن گیا اور قیمتی موتی کہلایا۔

شیخ سعدی

بات چیت

دوستو۔۔۔ السلام علیکم

کیئے کیسی رہی "عید قرباں" اور "عید آزادی" امید ہے کہ یہ دونوں ایام آپ نے بڑے جوش و خروش سے منائے ہوں گے یہ بتائیے کہ عید کے روز چٹ پٹی چیزیں کھاتے ہوئے... ایک دوسرے سے ملتے ہوئے، عید کی مبارک باد دیتے ہوئے ہمیں بھی یاد کیا تھا آپ نے یا نہیں؟ بھئی سچی بات یہ ہے کہ ہم نے تو آپ کو یوم آزادی اور عید کے دن بھی بہت یاد کیا۔ آپ لوگ جس وقت آزادی کی تقریبات میں منہمک تھے، یا عید کی خوشیوں میں کھوئے ہوئے تھے ہم اُس وقت بھی آپ کے ماہنامے کو خوبصورت بنانے میں مصروف تھے اور آنے والے یادگار دنوں کے حوالے سے وہ بہت کچھ تیار کر رہے تھے جو آپ ہم سے اس ماہنامے کے ذریعے چاہتے ہیں... ہم نے آنکھ مچولی کو خوبصورت بنانے اور بناتے رہنا کا وعدہ کیا تھا... آپ گواہ رہیئے کہ ہماری یہ کوششیں جاری ہیں اور آپ کا تعاون ہمارے ساتھ رہا تو یہ کوششیں اور بھی تیز ہو جائیں گی۔ اس بار ہم نے اپنے ننھے قلمکاروں کے لئے اُن کی تحریروں پر مشتمل ایک مستقل سلسلہ شروع کیا ہے جس کا عنوان ہے "ننھے ہاتھ نئی تحریریں" وقت کے ساتھ ساتھ اس کے صفحات میں بھی اضافہ ہوتا رہے گا۔ آپ بھی اچھی اچھی تحریریں ہمیں بھجواتے رہیں۔

ہم نے اس شمارے میں آپ کو نئے نئے موضوعات پر اچھی اچھی تحریریں دی ہیں اور رنگین صفحات میں بھی اضافہ کر دیا ہے۔ ہم یہ جو آئے دن نت نئے تجربات کرتے ہیں تو توقع رکھتے ہیں کہ آپ بھی ان تجربات پر اپنے تبصرے اور آرا ضرور بھجوایا کریں گے۔ اچھا بھئی اب آپ اپنا آنکھ مچولی پڑھیئے بقیہ بہت سی باتیں انشاءاللہ آئندہ شمارے میں کریں گے۔ خدا حافظ

آپ کا بھائی
ظفر محمود شیخ

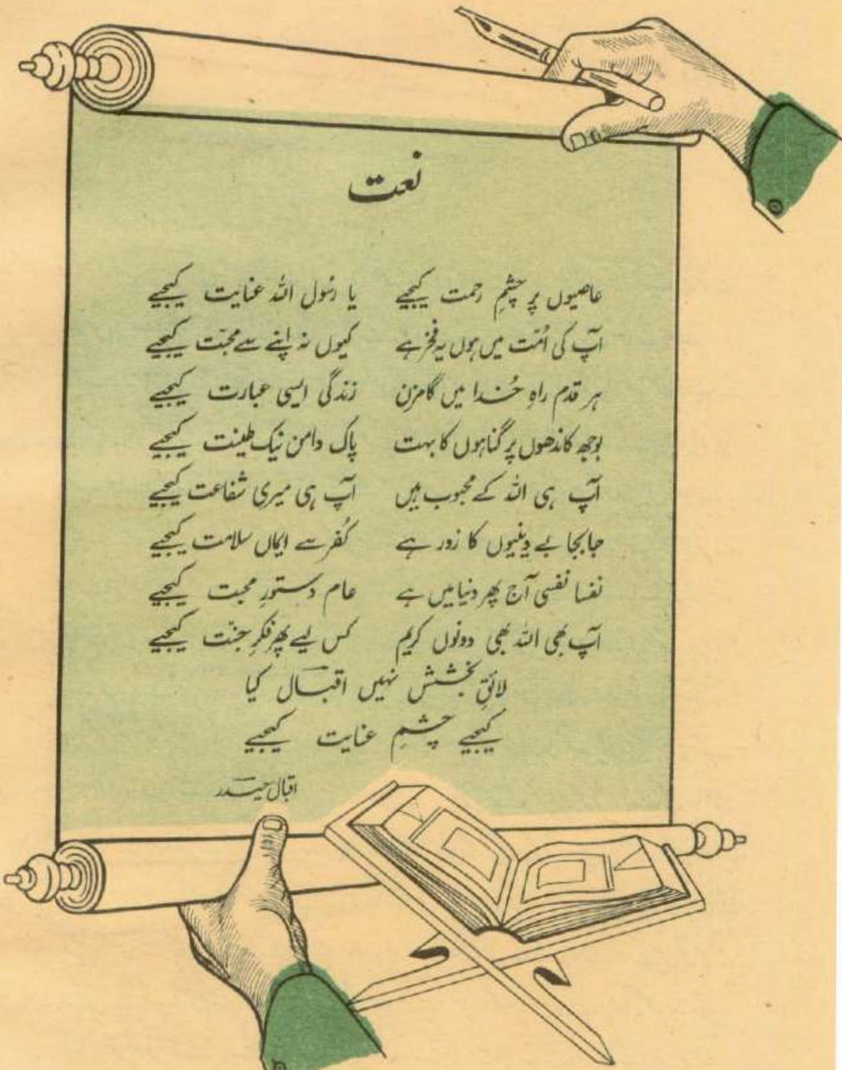

نعت

عاصیوں پر چشمِ رحمت کیجیے　　یا رسول اللہ عنایت کیجیے
آپ کی اُمت میں ہوں یہ فخر ہے　　کیوں نہ اپنے سے محبت کیجیے
ہر قدم راہِ خدا میں گامزن　　زندگی ایسی عبارت کیجیے
بوجھ کاندھوں پر گناہوں کا بہت　　پاک دامن نیک طینت کیجیے
آپ ہی اللہ کے محبوب ہیں　　آپ ہی میری شفاعت کیجیے
جابجا بے دینیوں کا زور ہے　　کفر سے ایماں سلامت کیجیے
نفسا نفسی آج پھر دنیا میں ہے　　عام دستورِ محبت کیجیے
آپ بھی اللہ بھی دونوں کریم　　کس لیے پھر فکرِ جنت کیجیے
لائقِ بخشش نہیں اقبال کیا
کیجیے چشمِ عنایت کیجیے

اقبال سعید

ڈاک ڈاک کس کی ڈاک

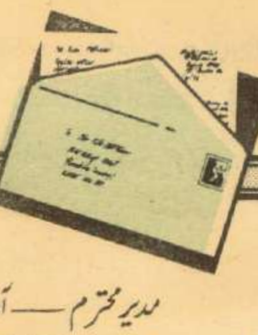

مدیر محترم —— آداب وتسلیمات

انگلش سرورق کے ساتھ آنکھ مچولی کا دوسرا شمارہ ملا، انگلش سرورق دے کر آپ نے عملی طور پر یہ اعتراف کر ہی لیا کہ تجارت بڑھانے اور پیسہ کمانے کے لئے اگر انگریزی تصاویر کا سہارا بھی لینا پڑے تو مضائقہ نہیں، آپ نے بچوں کو خوبصورت سرورق کے جال میں پھانس لیا، کیا ہی اچھا ہوتا کہ آپ خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنے ہی ماحول سے مطابق تصویر سرورق پر دیتے، کم ازکم کونین پر شکر تو لپٹی ہوئی نہ ہوتی،

(اُمّ کاشان، گلزار حبیب کالونی، کراچی)

اچھی بہن اُمّ کاشان .. وعلیکم آداب

بھئی اس قدر ناراضگی اچھی بات نہیں ہے ... آپ کی برہمی آنکھ مچولی کے سرورق پر ہے کہ یہ "انگلش" ہے تو جواباً عرض ہے کہ بچے خواہ پاکستانی ہوں یا امریکی ... چینی ہوں یا روسی عرب ہوں انگریز ... دنیا بھر کے بچے ایک سے ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں .. پھر یہ بھی کہ اچھی بات اور اچھی چیز جہاں سے ملے لے لینی چاہیے .. اس نیت سے ہم نے یہ سرورق بنائے تھے .. آپ کو پسند نہیں آئے جبکہ ہزاروں بچوں نے اسے پسند کیا۔

آپ نے لکھا ہے کہ ہم بچوں کو پھنسانے کے لئے ایسے خوبصورت سرورق بنواتے ہیں۔ بہن کیا آپ بتائیں گی کہ ہم بچوں کو کیوں پھنساتے ہیں؟ خدانخواستہ انہیں پھنسا کر غیر اخلاقی مواد تو پڑھنے کو نہیں دیتے ... اللہ کے فضل وکرم سے آنکھ مچولی کا تمام مواد خالصِ علم، اور اصلاح پر مبنی ہے اور اس سے بچوں کی تربیت اور ان کی صلاحیتوں کی نشوونما مقصود ہے ... اگر اسے پھنسانا کہتے ہیں تو پھر اللہ کرے کوئی ہمیں بھی پھنسالے۔ تاہم خط لکھنے کا شکریہ قبول کیجیے۔

محترمی مدیر صاحب

آپ کا شائع کردہ رسالہ "آنکھ مچولی" والد گرامی کے توسط سے موصول ہوا، "حق اسکواڈ" "بھلکڑ بھیا" مضمون "ایف ۱۶" اور "آتش فشاں" پڑھ کر بہت سی معلومات ہوئیں، لکھنے والوں تک مبارکباد پہنچا دیں، میری ایک تجویز ہے کہ "تقریر کیسے کریں" کے عنوان سے کوئی کتاب یا مضمون آپ شائع کریں،

(خرم حسن شفیق، ڈرگ کالونی کراچی)

بھائی خرم حسن شفیق

ہم آپ کے والد گرامی کے مشکور ہیں کہ انہوں نے آنکھ مچولی کی صورت میں آپ کو ایک اچھا دوست دیا ہے امید ہے کہ یہ دوستی آگے بڑھتی رہے گی۔ "حق اسکواڈ" "بھلکڑ بھیا" "ایف ۱۶" اور آتش فشاں کی پسندیدگی پر متعلقہ قلمکاروں کا شکریہ قبول کیجئے۔ دیکھئے ہم نے آپ کی تجویز مان لی اور تقریر کے موضوع پر مضامین شائع کر رہے ہیں اس شمارے میں پہلی قسط ملاحظہ کیجئے۔

مدیر صاحب

"آنکھ مچولی" پڑھا، بہت پسند آیا، اگست کے شمارے میں ایک لطیفے میں نائٹرک ایسڈ کا فارمولا HNO^8 درج کیا گیا ہے، مگر جہاں تک میرا خیال ہے اصل فارمولا HNO^3 ہے اس کے علاوہ کہانیاں بھی اچھی تھیں، خاص کر "بینگن کو پولیس لے گئی" کا تو جواب ہی نہیں، "کیا کیوں کیسے" اور "زلزلے" کے بارے میں مضمون دل کو بہت لگا۔

(خرم عبدالحمید بٹ، گلشن اقبال کراچی)

بھائی خرم عبدالحمید بٹ

آنکھ مچولی آپ کو بہت پسند آیا مبارکباد کی رسید قبول کیجئے۔ آپ نے نائٹرک ایسڈ کے فارمولے کی طرف جو توجہ دلائی ہے وہ بالکل درست ہے اصل فارمولا HNO^3 ہی ہے۔ غالباً لطیفہ بھیجنے والے بھائی نے زہر کی شدت بڑھانے کے لئے ۳ کو ۸ کر دیا تھا یا کاتب صاحب نے ذاتی اختیارات کی بنا پر فارمولا بدل دیا تھا نشاندہی کا شکریہ۔ "بینگن کو پولیس لے گئی"، "کیا

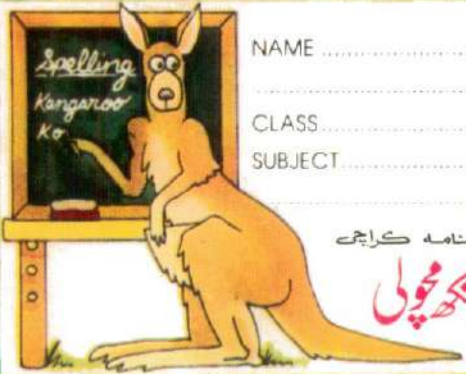

NAME ....

....

CLASS ....

SUBJECT ....

....

ماهنامه کراچی

آنکھ مچولی

کیوں کیسے" اور" زلزلے" کے بارے میں مضمون آپ کو پسند آیا ہمارا دل بڑھ گیا۔ امید ہے آپ آنکھ مچولی سے رابطہ برقرار رکھیں گے۔

جناب ایڈیٹر صاحب

جولائی اور اگست کے ٹائیٹل بڑے ہی زبردست تھے، مگر ایک خامی یہ نظر آئی کہ اس میں اشتہارات زیادہ ہیں، اس میں کمی کریں، کیونکہ ہم زیادہ سے زیادہ کہانیوں کی تلاش میں رہتے ہیں،

(کنور عمران خان، ملیر توسیعی کالونی کراچی)

پیارے بھائی کنور عمران

دونوں شماروں کے ٹائیٹل آپ کو پسند آئے ہم آپ کی خوش ذوقی کے معترف ہو گئے۔ آپ کو آنکھ مچولی میں اشتہارات زیادہ لگے مگر ان کی بہتات سے مواد میں کوئی کمی نہیں ہوئی ہے بلکہ اب تو صفحات ۱۱۲ سے بڑھا کر ۱۲۸ بلکہ اس سے بھی زیادہ کر دیئے گئے ہیں۔ تاکہ مواد کم نہ ہو۔ اشتہارات نہ ہوں تو رسالہ مہنگا ہو جائے گا کیونکہ صرف رسالہ بیچ کر اخراجات پورے نہیں کئے جا سکتے اشتہارات کی آمدنی آپ کے رسالے کو بہتر بنانے پر خرچ ہوتی ہے۔

بھیا—

اس اُمید پر خط لکھ رہی ہوں کہ آپ ہمیں بھی اپنے رسالے میں جگہ دیں گے۔ رسالہ "آنکھ مچولی" پڑھا اور پسند آیا، لطیفوں کا عنوان "لذے دار میٹھے" اچھا ہے۔ رسالے میں شائع شدہ کہانی "بدلہ" اس سے پہلے بھی کسی رسالے میں پڑھ چکی ہوں، رسالے میں دیگر چیزیں بھی پسند آئیں، مبارکباد قبول کریں۔

(ثمینہ بنت برڑو، ٹھٹھہ)

ننھی بہن ثمینہ برڑو

آپ کا انتہائی دلچسپ اور پرخلوص خط پڑھ کر بہت خوشی ہوئی کبھی آپ جیسی ہونہار

بچّی کو ہم کیوں رسالہ میں جگہ نہ دیں گے یہ ہمارا نہیں آپ کا رسالہ ہے" لذے دار لطیفے" یہ عنوان آپ کو پسند آیا۔ ہمیں بھی اپنی تعریف سن کر آپ کی حسِ مزاح پر رشک آیا۔ آپ نے لکھا ہے کہ کہانی" بدلہ" پہلے کسی رسالے میں شائع ہو چکی ہے۔ پڑھاکو بہن ہم اپنے ہر شمارے میں ایک کہانی بیرونی ادب سے دیتے ہیں" بدلہ" نہرو بال پشٹکاریہ" بھارت سے لی ہوئی کہانی تھی ممکن ہے کسی اور نے بھی اسے شائع کیا ہو۔

جناب مدیر صاحب

آنکھ مچولی کا دوسرا پرچہ دیکھ کر" گلزارِ طفلاں" میں بہار آگئی، سرورق خوبصورت اور خوش رنگ، مضامین بصیرت افروز، اور کہانیاں، لطیفے، نظمیں، معلوماتی مگر دلچسپ سوالات، سب کے سب خوشیوں کا سامان لئے ہوئے تھے، ہماری دلی دعا ہے کہ آنکھ مچولی دن دُوگنی رات چوگنی ترقی کرے اور ملک بھر کے بچّے اس سے معلوماتی اخلاقی اور اصلاحی مضامین پڑھ کر اپنے چودہ طبق روشن کر سکیں۔

(فیصل بن غفار، کمزبے تھرپارکر)

ننھے بھیّا فیصل بن غفار

آپ کا اتنا اچھا خط پڑھ کر ہم شبہ میں پڑ گئے تھے چنانچہ "حق اسکواڈ" کو حقیقت معلوم کرنے کی مہم سونپی گئی وہ ہمیشہ کی طرح کامیاب لوٹے ہیں ان کی رپورٹ کے مطابق یہ پیارا پیارا خط آپ نے اپنے نانا جان سے لکھوایا ہے جسے پڑھ کر ہمارے "چودہ طبق" روشن ہو گئے اپنے نانا جان سے ہمارا سلام عرض کیجئے اور ہمارے حق میں دُعا کے لئے کہیے۔

سب سے اچھی کہانی بل بنام

اس لئے پسند نہیں آئی کہ اتفاق سے ہماری امّی نے بھی پڑھ لی اور اس طرح ہماری آمدنی کا سلسلہ بند ہو گیا۔

(چوھدری ساجد حسین، رتن تالاب کراچی)

"بل" بنام" کی پسندیدگی پر کلیم چغتائی کا شکریہ قبول کیجئے۔ یہ کہانی آپ کی امّی نے پڑھ لی اور آپ کی آمدنی کا سلسلہ بند ہو گیا۔ بھیّا قانون کے ہاتھ بہت لمبے ہوتے ہیں ـــ ٹھیک ہے نا،

داستانِ شجاعت

محمود غزنوی

محرم الحرام قمری سال کا پہلا مہینہ ہے اور بڑی حرمت والا مہینہ ہے اس ماہ کا نام سُن کر آپ کو تاریخ انسانی کا وہ عظیم واقعہ ضرور یاد آتا ہوگا جو کئی سو سال قبل کربلا کے مقام پر پیش آیا تھا. جس میں ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لاڈلے نواسے حضرت حسینؓ نے اپنے رفقاء اور اہل وعیال کے ساتھ اللہ کی راہ میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا تھا اور اس طرح وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندۂ جاوید ہو گئے تھے، گویا سال کا آغاز حضرت حسینؓ کی کربلا کے مقام پر شہادت جیسی عظیم قربانی سے ہوتا ہے آپ کو معلوم ہوگا کہ شہید کبھی مرا نہیں کرتے وہ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں مگر ہمیں اس کا شعور نہیں۔

آپ یقیناً یہ سوچ رہے ہوں گے کہ اللہ کی راہ میں لڑنے کو جہاد کیوں کہا جاتا ہے، جہاد کا مطلب ہے جدوجہد کرنا، کوشش کرنا اور خدا کے دین کی سربلندی کے لئے اپنی جانب سے تن، من، دھن لگا دینا۔ اور جان جیسی قیمتی چیز کی بھی پرواہ نہ کرنا، پھر جہاد کئی قسم کے ہوتے ہیں، مثلاً جہاں خدا کے حکم کی نافرمانی ہو رہی ہو وہاں آپ اس کے توڑ کے لئے غور و فکر کریں گے. تو یہ فکری جہاد ہوا، اگر آپ بڑے کاموں کے خلاف بولتے ہیں، تو یہ قولی جہاد ہوا، اگر آپ برائیوں کے خلاف اپنے قلم سے لکھتے ہیں، جہالت دور کرنے کی کوشش کرتے اور سچا علم پھیلانے کی سعی کرتے ہیں تو یہ علمی جہاد ہوا، اگر آپ نیکی کے کاموں میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں تو یہ مالی جہاد ہوا، غرض ـــ مومن کی پوری زندگی اگر اطاعتِ خداوندی اور دعوتِ نیکی میں گزرے تو یہ لمحہ لمحہ جہاد کہلاتی ہے۔

آپ نے وہ حدیث ضرور سنی ہوگی کہ "سب سے افضل مومن وہ ہے جو اپنی جان اور اپنے مال سے اللہ کی راہ میں لڑتا ہے"

داستانِ شجاعت

محمود غزنوی

محرم الحرام قمری سال کا پہلا مہینہ ہے اور بڑی حرمت والا مہینہ ہے اس ماہ کا نام سُن کر آپ کو تاریخ انسانی کا وہ عظیم واقعہ ضرور یاد آتا ہوگا جو کئی سو سال قبل کربلا کے مقام پر پیش آیا تھا. جس میں ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لاڈلے نواسے حضرت حسینؓ نے اپنے رفقاء اور اہل وعیال کے ساتھ اللہ کی راہ میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا تھا اور اس طرح وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندۂ جاوید ہو گئے تھے، گویا سال کا آغاز حضرت حسینؓ کی کربلا کے مقام پر شہادت جیسی عظیم قربانی سے ہوتا ہے آپ کو معلوم ہوگا کہ شہید کبھی مرا نہیں کرتے وہ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں مگر ہمیں اس کا شعور نہیں۔

آپ یقیناً یہ سوچ رہے ہوں گے کہ اللہ کی راہ میں لڑنے کو جہاد کیوں کہا جاتا ہے، جہاد کا مطلب ہے جدوجہد کرنا، کوشش کرنا اور خدا کے دین کی سربلندی کے لئے اپنی جانب سے تن، من، دھن لگا دینا۔ اور جان جیسی قیمتی چیز کی بھی پرواہ نہ کرنا، پھر جہاد کئی قسم کے ہوتے ہیں، مثلاً جہاں خدا کے حکم کی نافرمانی ہو رہی ہو وہاں آپ اس کے توڑ کے لئے غور و فکر کریں گے. تو یہ فکری جہاد ہوا، اگر آپ بڑے کاموں کے خلاف بولتے ہیں، تو یہ قولی جہاد ہوا، اگر آپ برائیوں کے خلاف اپنے قلم سے لکھتے ہیں، جہالت دور کرنے کی کوشش کرتے اور سچا علم پھیلانے کی سعی کرتے ہیں تو یہ علمی جہاد ہوا، اگر آپ نیکی کے کاموں میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں تو یہ مالی جہاد ہوا، غرض ـــ مومن کی پوری زندگی اگر اطاعتِ خداوندی اور دعوتِ نیکی میں گزرے تو یہ لمحہ لمحہ جہاد کہلاتی ہے۔

آپ نے وہ حدیث ضرور سنی ہوگی کہ "سب سے افضل مومن وہ ہے جو اپنی جان اور اپنے مال سے اللہ کی راہ میں لڑتا ہے۔"

ہمارے پیارے نبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کو ایمان کی علامت قرار دیا ہے، اور اس عملی جہاد کی سب سے بڑی اور ناقابلِ فراموش مثال کربلا کا واقعہ ہے، جو اسی محرم الحرام کے مہینے میں پیش آیا تھا۔ یہ واقعہ آپ نے بارہا اپنے اساتذہ اور بزرگوں سے سُنا ہوگا، مگر آیئے اس موقع پر اسے دہرا کر شہادتِ عظیم کی یاد تازہ کریں،

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد حضرت امیر معاویہؓ مملکت اسلامیہ کے حکمران بنے، انہوں نے اپنی زندگی ہی میں اپنے بیٹے یزید کو جانشین مقرر کر دیا تھا، یہ ایک غلط روایت تھی جس کا آغاز ہوا۔

یزید نے حکمران بنتے ہی من مانی شروع کر دی، لوگوں سے زبردستی بیعت لی۔ وہ اللہ کے حکم کے مطابق نہ خود زندگی گزارتا اور نہ لوگوں کو اس کی تلقین کرتا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حقوق العباد پامال ہونے لگے اور یزید خود بھی برائیوں میں مبتلا ہوتا چلا گیا، جب کسی ملک کے حکمران کا کردار اچھا نہ ہو تو اس ملک کے عوام کبھی امن و سکون سے نہیں رہ سکتے۔"

کوفہ کے لوگوں نے امام حسینؓ کو خطوط لکھے کہ وہ ہمیں اس ظالم حکمران سے نجات دلائیں، آپؓ نے تحقیق کے لئے اپنے ایک رفیق مسلم بن عقیلؓ کو روانہ کیا، اس زمانے میں وہاں کا گورنر نعمان بن بشیر تھا، جب حضرت مسلم بن عقیلؓ کوفہ پہنچے تو پہلے روز ہی بارہ ہزار آدمیوں نے آپ کے ہاتھ پر یزید کے خلاف امام حسینؓ کی بیعت کی، یعنی حمایت کا اعلان کیا، یہ حوصلہ افزا صورت حال دیکھ کر آپ نے امام حسینؓ کو خط لکھا کہ آپ فوراً تشریف لایئے، یہاں کے لوگ آپ کی رہنمائی کے منتظر ہیں۔

یہ ساری صورت حال جب یزید کے علم میں آئی تو اُس نے کوفہ کے گورنر نعمان بن بشیر کو معزول کر کے ایک سخت گیر شخص عبیداللہ بن زیاد کو گورنر مقرر کر دیا اور ہدایت کی کہ امام حسینؓ کی حمایت کو سختی سے دبا دیا جائے۔ اِدھر امام حسینؓ نے مسلم بن عقیلؓ کا خط پا کر کوفہ کی طرف سفر کا آغاز کر دیا، یہ ۳ ذوالحجہ ۶۰ھ کی تاریخ تھی، اسی تاریخ کو عبیداللہ بن زیاد نے مسلم بن عقیلؓ کو کوفہ میں قتل کرا دیا، اور لوگوں کو امام حسینؓ کی حمایت سے ڈرا دھمکا کر دستبردار کرا لیا۔

امام حسینؓ کی روانگی اور کوفہ کی صورت حال یزید کے علم میں تھی، اُس نے عبیداللہ بن زیاد کو لکھا کہ اپنی حفاظت کرو، امام حسینؓ روانہ ہو چکے ہیں، اُن کے کوفہ پہنچنے سے پہلے ہی راستے میں فوج متعین کر دو اور امام حسینؓ کو گرفتار کر لو یا میری حمایت پر آمادہ کرو۔

قافلۂ حسینؓ جب کوفہ کے قریب پہنچا تو معلوم ہوا کہ مسلم بن عقیلؓ قتل کر دیئے گئے ہیں اور اب کوفہ میں امام حسینؓ کا کوئی حمایتی نہیں۔

عبیداللہ بن زیاد گورنر کوفہ نے عمر بن سعد کو ۴ ہزار فوج دے کر امام حسینؑ کا سراغ لگانے کا حکم دیا تھا اور حرُ بن یزید کو ایک ہزار فوج دے کر کوفہ کے اردگرد گشت پر مامور کیا تھا. یہ حرُ وہی ہیں جو امام حسینؑ کو حق پر پاکر یزیدی لشکر کو چھوڑ کر آپ کے ساتھ آملے اور لڑتے ہوئے شہید ہوئے ان کا ٹکراؤ امام حسینؑ سے ہوا جن کا لشکر ۷۰ یا ۸۰ رفقاء پر مشتمل تھا. شام ہو چکی تھی یزیدی فوج نے صبح تک انتظار کرنا مناسب سمجھا اور امام حسینؑ کی واپسی کے راستے بند کر کے ساحل فرات پر بھی قبضہ کرلیا، اس طرح آپؑ کے لئے پانی کی فراہمی کا راستہ بھی مسدود ہوگیا، آپ کے رفقاء نے وہ رات پیاسے گزاری، یہ حالات دیکھ کر امام حسینؑ نے اپنے رفقاء کو خطاب فرمایا، اور کہا، "یزیدی فوج مجھے گرفتار کرنا چاہتی ہے، اور زبردستی یزید کی حمایت کرانا چاہتی ہے، لہٰذا تم اپنی جان بچانا چاہتے ہو تو چلے جاؤ، تمہیں کوئی کچھ نہ کہے گا۔ تم مجھے تنہا چھوڑ دو" مگر آپ کے جاںنثار ساتھیوں نے آپ کو چھوڑ کر جانے سے انکار کردیا انہوں نے عہد کیا کہ حق کی خاطر امام حسینؑ پر اپنی جانیں نچھاور کردیں گے، مگر دشمن سے مُنہ نہ موڑیں گے۔

رات گزر گئی ــــ اور صبح طلوع ہوئی، میدان کارزار میں دشمن کی ہزارہا فوج پڑاؤ ڈالے ہوئے تھی اور اس کے سامنے امام حسینؑ کے ساتھی بھوکے پیاسے مگر اسلام کی خاطر جان کی بازی لگا دینے کے لئے تیار کھڑے تھے۔ آپؑ اونٹ پر سوار ہوئے اور یزیدی لشکر کے پاس جاکر خطاب کیا، فرمایا۔

"لوگو تمہارے بلاوے پر ہی میں یہاں آیا ہوں، میں، دنیا کے جھگڑوں سے آزاد مدینہ میں رسول کریمؐ کے قدموں میں پڑا تھا، تم نے مجھے وہاں نہ رہنے دیا۔ پھر مکہّ معظمہ کے خانۂ خدا میں مصروف عبادت تھا۔ تم نے مجھے وہاں بھی چین نہ لینے دیا، میرے پاس مسلسل خطوط بھیجے کہ ہم تمہیں امامت کا حقدار سمجھتے ہیں، اور بیعت خلافت چاہتے ہیں،

جب تمہارے بُلانے کے موافق میں یہاں آیا تو اب تم مجھ سے برگشتہ ہو گئے ہو ــــ اور آج تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو، تم نے کس طرح میرے خون کو حلال سمجھ لیا ہے ــــ میں چاہتا ہوں تم مجھے آزاد چھوڑ دو، تاکہ میں مکہّ یا مدینہ جاکر مصروف عبادت ہوجاؤں، خدا تعالیٰ خود فیصلہ کردے گا کہ کون حق پر تھا اور کون ظالم "

لوگ خاموش رہے، آپؑ نے پھر پوچھا

"لوگو ــ کیا تم نے مجھے بااصرار یہاں نہ بلوایا تھا۔"

یہ سن کر لوگوں نے جواب دیا "ہم نے آپ کو نہ کوئی خط لکھا اور نہ بلوایا، ــــ اب ہم علی

الاعلان آپ سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں "

آپؓ اونٹ سے اُتر کر اپنے رفقاء میں آئے اور گھوڑے پر سوار ہو کر لڑائی کے لئے مُتعد ہو گئے۔ یزیدی لشکر نے پہل کی ایک تیر چلایا اور حملہ کا آغاز ہو گیا۔ پہلے یزیدی لشکر سے دو طاقت در سورما آئے اور للکارا، امام حسینؓ کی طرف سے ایک جاں نثار نے جا کر دونوں کا مقابلہ کیا، اور دونوں کو جہنم واصل کر دیا۔ اس طرح کی لڑائی دیر تک ہوتی رہی، یزیدی لشکر سے جوان آتے، اور امام حسین کا ایک جاں نثار اِن کو تھوڑی ہی دیر میں جہنم رسید کر دیتا، نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن کے کافی آدمی مارے گئے اور امام حسینؓ کا پلہ بھاری رہا۔

اس صورت حال کو دیکھ کر یزیدی فوج کے کمانڈروں عمرو بن سعد اور شمر ذی الجوشن نے دو بدو لڑائی کا حکم دے دیا۔ پوری قوت سے دونوں فوجیں ٹکرائیں،

آپ کے ہمراہیوں نے بے جگری سے مقابلہ کیا، خون میں نہا گئے، اور اپنی متاعِ عزیز جانیں قربان کر دیں، ایک ایک کر کے شہید ہوتے چلے گئے۔ بالآخر امام حسینؓ تنہا رہ گئے، آپؓ کے حملوں کی شان دیکھنے والا کوئی ہمراہی موجود نہ تھا۔ مگر لشکرِ یزید کے دو سپہ سالار آپس میں ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے۔

" ہم نے آج تک ایسا بہادر اور جری انسان نہیں دیکھا "

لڑائی کے دوران آپؓ کے گھوڑے کو دشمن کی تلوار کا کاری وار لگا اور وہ مر گیا، پھر آپؓ نے پیدل ہی مقابلہ جاری رکھا، جس طرف آپ کی تلوار لہراتی صفوں کی صفیں الٹ جاتیں، آخر کار یزیدی فوج کے شمر ذی الجوشن نے چھ شخصوں کے ہمراہ آپ پر حملہ کیا،

آپ گر پڑے اور ایک بدبخت کی تلوار نے آپ کا سر تن سے جدا کر دیا، اس کے ساتھ ہی حق و باطل کا معرکہ کارزار ختم ہو گیا — اور آپؓ کی روح پرواز کر گئی۔

امام حسینؓ نے راہ حق میں اپنی جان قربان کر دی۔ مگر ظالم سے کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا — شہادت حسینؓ سے ہمیں یہی سبق ملتا ہے کہ کے خلاف بے خوف ہو کر حق کی بات کہی جائے اور حق کا ساتھ دیا جائے، بُرائی کو ختم کرنے کے لئے جان دے دی جائے۔ یہی صحیح معنوں میں جہاد — فی سبیل اللہ کا مفہوم ہے۔

اِس مضمون کی تیاری میں تمام معلومات مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی کی تصنیف "تاریخ اسلام" حصہ دوئم سے لی گئی ہیں

اسلامی مقابلہ معلومات

بحیثیت مسلمان ہمارا فرض بھی ہے اور ہم سے ہمارے عقیدے کا تقاضا بھی کہ ہم اپنے ہر عمل میں اللہ کو یاد کریں۔ یہ عمل خواہ کھانے پینے کا ہو یا سونے جاگنے کا... اٹھنے بیٹھنے کا ہو یا چلنے پھرنے کا... اسلامی تعلیمات کے مطابق نیچے دیئے گئے چند اذکار کا مختلف مواقع پر زبان سے ادا کرنا ضروری ہے.. کیا آپ بتائیں گے کہ وہ کون سے مواقع ہیں۔ جب ان الفاظ کو دُھرا کر اللہ کو یاد کیا جاتا ہے اگر آپ نے تمام جوابات درست دے دیئے تو ہم آپ کو قیمتی انعامات بذریعہ قرعہ اندازی بھجوائیں گے اور آپ کا نام بھی آنکھ مچولی کی آئندہ اشاعت میں شائع کریں گے۔

۱ بسم اللہ
۲ انشاء اللہ
۳ سبحان اللہ
۴ یا اللہ
۵ ماشاء اللہ
۶ جزاک اللہ
۷ لاالہ الااللہ
۸ واللہ باللہ
۹ الحمدللہ
۱۰ یرحمک اللہ ۔
۱۱ استغفراللہ
۱۲ فی سبیل اللہ
۱۳ لحب اللہ
۱۴ اٰمنت باللہ
۱۵ فی امان اللہ
۱۶ توکلت علی اللہ
۱۷ نعوذ باللہ
۱۸ فتبارک اللہ
۱۹ آمین
۲۰ اناللہ وانا الیہ راجعون

دانتوں کی صحت و حفاظت کے لیئے نمایاں پیش رفت

ٹرانسپیرنٹ

میکلینس جیل

کیلشیم اور فلورائیڈ کے ساتھ، دانتوں کی مؤثر ترین حفاظت
اب بے حد مزیدار نیلے جل میں

ٹرانسپیرنٹ نیا میکلینس جل لیجئے۔
خوش مزہ نیلا جل آپ کے دانتوں کو زیادہ چمک، سانس کو زیادہ تازگی دیتا ہے اور دانتوں پر جراثیم کی جمی ہوئی تہہ (PLAQUE) صاف کرتا ہے۔

اور اس کے ساتھ میکلینس کیلشیم اور فلورائیڈ کا خصوصی فارمولا دانتوں کو مؤثر اور یقینی حفاظت دیتا ہے۔
آج ہی لیجئے ۔ آپ ہمیشہ یہی استعمال کریں گے۔

ٹرانسپیرنٹ

میکلینس جیل

دانتوں کے لئے میکلینس کی مؤثر ترین حفاظت
اب بیحد مزیدار نیلے جل میں۔

بلجیم کی کہانی

شوربے کا پتھر

(فضل حق قریشی دہلوی)

ایک روز ایک فوجی لڑائی کے میدان سے چھٹی لے کر اپنے گھر واپس جا رہا تھا۔ راستے میں وہ ایک گاؤں کے قریب سے گزرا۔

ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور سپاہی بھوکا تھا۔ وہ گاؤں کے سرے پر ایک مکان کے سامنے رک گیا اور کچھ کھانے کے لئے مانگا۔ گھر والوں نے کہا کہ ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ لہٰذا وہ سپاہی آگے بڑھ گیا۔

وہ دوسرے گھر پر رُکا اور وہی سوال کیا۔ یہاں بھی گھر والوں نے جواب دیا کہ ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ اگر ذرا ٹھہر کر آؤ تو شاید کوئی انتظام ہو جائے۔

تب سپاہی نے سوال کیا، تمہارے پاس ہنڈیا تو موجود ہے

گھر والوں نے کہا: "بے شک! ہمارے پاس ہنڈیا موجود ہے۔"

پھر اس نے معلوم کیا: "تمہارے ہاں پانی بھی ہوگا؟"

"ہاں۔ پانی جتنا چاہو، لے لو۔" اسے جواب ملا۔
سپاہی بولا: "ہنڈیا کو پانی سے بھرو اور چولہے پر چڑھا دو۔ میرے پاس شوربہ تیار کرنے کا پتھر موجود ہے۔ بس ابھی کام بن جائے گا۔"
"کیا کہا؟" اُن میں سے ایک شخص نے تعجب سے پوچھا: "شوربہ بنانے کا پتھر! وہ کیا چیز ہے؟"
"بس ایک خاص قسم کا پتھر ہے، جسے پانی میں ڈال لینے سے مزیدار شوربہ تیار ہو جاتا ہے۔"
وہ سب لوگ اس عجیب و غریب چیز کو دیکھنے کے لئے جمع ہو گئے۔ گھر کی مالکہ نے ایک بڑی ہنڈیا کو پانی سے بھرا، وہ عام قسم کا پتھر تھا، جیسے اکثر سڑکوں پر اِدھر اُدھر پڑے نظر آتے ہیں۔ وہ پتھر اس نے ہنڈیا میں ڈال دیا اور کہا: "بس۔ اب اسے ابلنے دو۔ پھر دیکھو کہ کیا بنتا ہے۔"
لہٰذا وہ سب چولہے کے پاس پاس بیٹھ گئے اور انتظار کرنے لگے کہ کب پانی گرم ہو کر اُبلنے لگتا ہے اور کیسا شوربہ تیار ہوتا ہے۔
سپاہی نے دریافت کیا: "تمہارے پاس نمک تو ضرور ہوگا۔ مُٹھی بھر نمک اس میں ڈال دو۔"
عورت نے کہا: "بہت اچھا۔"
اور یہ کہہ کر وہ نمک کا ڈبہ اٹھا لائی۔ سپاہی نے خود ہی ایک مُٹھی بھر کر نمک پانی میں ڈال دیا۔ پھر سب لوگ انتظار کرنے لگے۔
پھر سپاہی نے کہا: "اگر چند گاجریں ہوں تو شوربے کا ذائقہ اچھا ہو جائے گا۔"
"ہاں۔" عورت بولی۔ "گاجریں تو ہمارے ہی کھیت میں اُگتی ہیں۔"
اور یہ کہہ کر اس نے چند گاجریں ٹوکری میں سے نکالیں۔ دراصل سپاہی نے ترکاریوں سے بھری ہوئی ٹوکری دیکھ لی تھی جس میں گاجریں بھی تھیں۔
پانی میں گاجریں ڈال دینے کے بعد سپاہی نے اپنی بہادری کے قصّے بیان کرنے شروع کئے اور ایک دم رُک کر پوچھا: "تمہارے پاس آلو بھی تو ہوں گے؟"
گھر کی مالکہ بولی: "ہاں۔ آلو بھی ہیں۔"
"تو پھر اس میں ڈال دو۔ شوربہ ذرا گاڑھا ہو جائے گا۔"
بوڑھی عورت نے چھیل کر آلو بھی ہنڈیا میں ڈال دیئے۔

سپاہی نے کہا: "اگر ذائقے کو زیادہ لطیف بنانا ہو تو پیاز بھی کتر کر ملا دو۔"

کسان نے اپنے چھوٹے لڑکے سے کہا: "مُنّے، ذرا پڑوسی کے گھر جاؤ اور تھوڑی سی پیاز مانگ لاؤ۔ وہ بھی کبھی کبھی ہمارے گھر سے لے لیتے ہیں۔"

بچہ بھاگ کر پڑوسی کے گھر گیا اور پیاز مانگ لایا۔ پس انہوں نے پیاز بھی چھیل کر اور کتر کر پانی میں ڈال دی۔

پھر کچھ لطیفے سنائے گئے اور انتظار کا وقت گزرتا محسوس نہیں ہوا۔ سپاہی نے بڑی حسرت سے کہا: "لڑائی کے میدان میں کرَم کلاّ نہیں ملتا۔ اپنے وطن سے روانہ ہونے کے بعد سے اب

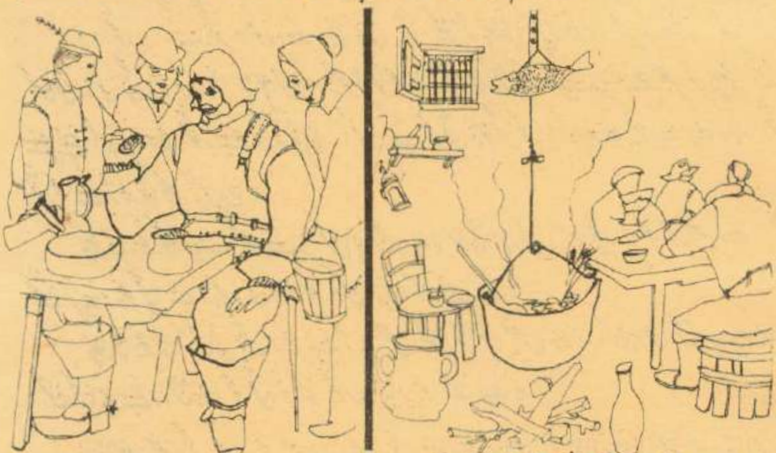

تک میں نے کرَم کلّے کی شکل بھی نہیں دیکھی۔"

"ارے مُنے۔" گھر کی مالکہ نے اپنے لڑکے سے کہا: "بھاگ کر کھیت میں جاؤ۔ دو چار ابھی باقی ہیں۔ ایک کرَم کلّا لے آؤ۔"

"بس اب زیادہ دیر نہیں لگے گی۔" سپاہی نے اطمینان دلایا اور واقعی ہنڈیا میں سے خوب بھاپ اٹھنے لگی۔

عین اسی وقت کسان کا بڑا بیٹا شکار سے واپس آیا۔ وہ ایک خرگوش مار کر ساتھ لایا تھا۔

سپاہی نے خوش ہو کر کہا: "واہ واہ۔ کیا کہنے۔ یہ تو سونے پر سُہاگے کا کام دے گا۔ بہت اچھے موقعے پر آیا ہے۔"

" نوجوان شکاری نے ہنڈیا کی طرف دیکھ کر ناک کو حرکت دی اور سَر کھجا کر کہا:

"معلوم ہوتا ہے کہ مزیدار شوربہ تیار ہو رہا ہے۔"

"ہاں۔ اس کی ماں نے فوراً اسے آگاہ کیا" اس سپاہی کے پاس ایک عجیب و غریب پتھر تھا، ہم اُسے اُبال کر شوربہ بنا رہے ہیں۔ تم اچھے موقعے پر آئے ہو، ایک پیالہ تم بھی پی لوگے۔"

اس دوران میں جلدی جلدی خرگوش کی کھال اتار کر اور اسکے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے فوراً ہنڈیا میں ڈال دیتے۔ کچھ دیر بعد ہنڈیا سنسانے لگی۔ اور پھر تیزی سے بھاپ نکلنے لگی۔ اور جب تنکاری لڑکا اپنے کپڑے بدل کر اور ہاتھ منہ دھوکر آیا تو شوربہ تیار ہو گیا تھا۔ سارے گھر میں اس کی خوشبو پھیل رہی تھی۔

وہ شوربہ سب گھر والوں کے لئے کافی تھا کیونکہ ہنڈیا اوپر تک بھری ہوئی تھی۔ سپاہی کسان، اس کی بیوی، بڑا لڑکا، لڑکی، چھوٹا لڑکا اور چھوٹی لڑکی۔ سب پیالے بھر کر بیٹھ گئے۔ سب سے پہلے کسان نے شوربے کی چُسکی لی۔ اُس نے خوش ہو کر کہا! "بہت خوب ہے۔ ایسا شوربہ تو ہم نے زندگی بھر نہیں پیا۔"

بیوی نے بھی ایک گھونٹ پی کر ہاں میں ہاں ملائی اور کہا:" یہ عجیب قسم کا پتھر ہے۔ شوربہ کتنا مزیدار ہو گیا ہے۔ ہم اس کا ذائقہ کبھی نہیں بھولیں گے۔"

سپاہی بولا:" کمال کی بات ہے کہ یہ کبھی گھل کر ختم نہیں ہوتا۔ آج والی ترکیب پر جب بھی عمل کیا جائے، اتنا ہی خوش ذائقہ شوربہ تیار ہو سکتا ہے۔"

اپنا حصہ ختم کر لینے کے بعد سپاہی نے رخصت چاہی اور خدا حافظ کہتے ہوئے اس نے شوربے کا پتھر گھر کی مالکہ ہی کو تحفے کے طور پر دے دیا اور کہا:" یہ تمہاری مہمان نوازی کا صلہ ہے۔ اسے اپنے پاس ہی رکھو اور جب چاہو، اسی ترکیب سے شوربہ تیار کر لو۔"

کسان، اس کی بیوی اور سب بچے فراخ دل سپاہی کا شکریہ ادا کرنے لگے۔ وہ مہمان نوازی کا کوئی معاوضہ لینا نہیں چاہتے تھے۔ لیکن سپاہی نے انہیں مجبور کرایا اور انہوں نے ایک نعمت سمجھ کر پتھر کو حفاظت سے رکھ لیا۔

تازہ دم ہو کر سپاہی نے اپنی راہ لی۔ خوش قسمتی سے تھوڑے سے فاصلے پر ویسا ہی ایک اور پتھر سڑک پر پڑا ہوا مل گیا۔ اُس نے اٹھا کر اپنے جھولے میں رکھ لیا کہ شاید گھر پہنچنے سے پہلے کسی اور گاؤں میں وہ کام آجائے اور اس کی بدولت مزیدار شوربہ نصیب ہو جائے۔ (ترجمہ)

قائدِ اعظم ہمارے محسن

(اعظم منہاس)

پاکستان کے حصول کی جد وجہد میں قیادت کرنے والی نمایاں شخصیت ہمیں قائدِ اعظم محمد علی جناح کی نظر آتی ہے، مسلمانوں نے ان کی رہنمائی میں آزادی کی مہم پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے تک جاری رکھی،

آپ کی پیدائش ۲۵ دسمبر ۱۸۷۶ء کو اتوار کے دن کراچی میں ہوئی، والد محترم کا نام جناح پونجا تھا۔ اور وہ چمڑے کا کاروبار کرتے تھے، قائدِ اعظم کو شروع ہی سے حصولِ علم کا شوق تھا، رات رات بھر جاگ کر پڑھتے، ابتدائی تعلیم گھر ہی پر ہوئی اور پھر سندھ مدرسہ اسکول میں داخل ہوئے، اساتذہ کرام ان کے شوقِ تعلیم اور محنت و صلاحیت کے معترف تھے۔ سولہ سال کی عمر میں میٹرک کا امتحان پاس کیا، اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے انگلستان گئے اور بیرسٹری کی ڈگری حاصل کی، ۱۹۰۹ء سے مسلمانوں کی نمائندگی کا موقعہ حاصل ہوا۔ ۱۹۳۶ء سے مسلم لیگ کو فعال بناکر الیکشن کے لئے تیار کیا، مسلمانوں نے پوری ہمّت اور ولولے سے اِن کا ساتھ دیا،

بالآخر مسلمانوں کی جدوجہد رنگ لائی اور انگریزوں کی غلامی سے قوم کو نجات ملی، اور ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو دنیا کے نقشے پر پاکستان اُبھرا، قیامِ پاکستان کے بعد ہی قائدِ اعظم اور اُس کے ساتھیوں نے ملک کو استحکام بخشنے کی خاطر انتھک محنت کی۔ اس کے نتیجے میں اُن کی صحت جواب دیتی چلی گئی۔ آخری ایام میں قائدِ اعظم بلوچستان کے صحت افزا، مقام "زیارت" چلے گئے، ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کو بانیِ پاکستان اس دارِ فانی سے کوچ کرگئے۔

Grey Printers

SPECIALIST IN OFFSET, GRAVURE AND FLEXO PRINTING AND PACKAGING,

Head Office : Opp. Quaid-e-Azam Birth Place Fakhr-e-Matri Road,

Kharadar. Karachi Phones: 227028 - 223644

Factory : F/71, Hub River Road S.I.T.E. Karachi

Phone : 294181- 292608

نفیس فریدی

ہم لوگ بڑے ہو کے بڑا کام کریں گے
ہم قائد اعظم کی طرح نام کریں گے

ہے اپنے وطن سے ہمیں بے لاگ محبت
ورثے میں ملی ہے ہمیں آزادی کی دولت
آزادی کو درکار ہے ہر طرح کی محنت
ہر طرح کی محنت سحر و شام کریں گے

ہم لوگ بڑے ہو کے بڑا کام کریں گے
ہم قائد اعظم کی طرح نام کریں گے

ہم اپنے بزرگوں کی امانت کے امیں ہیں
اے ارضِ وطن تیرے محافظ بھی ہمیں ہیں
غافل کبھی تجھ سے تیرے شیدائی نہیں ہیں
ہمت سے ہر اک کام سرِ عام کریں گے

ہم لوگ بڑے ہو کے بڑا کام کریں گے
ہم قائد اعظم کی طرح نام کریں گے

ہے شانِ وطن ہم سے ہی ہم شانِ وطن ہیں
یہ خاکِ وطن اپنی ہے ہم جانِ وطن ہیں
ہر طرح سے ہر حال میں ہم آنِ وطن ہیں
جاں نذر ہم اس کے لئے ہر گام کریں گے

ہم لوگ بڑے ہو کے بڑا کام کریں گے
ہم قائد اعظم کی طرح نام کریں گے

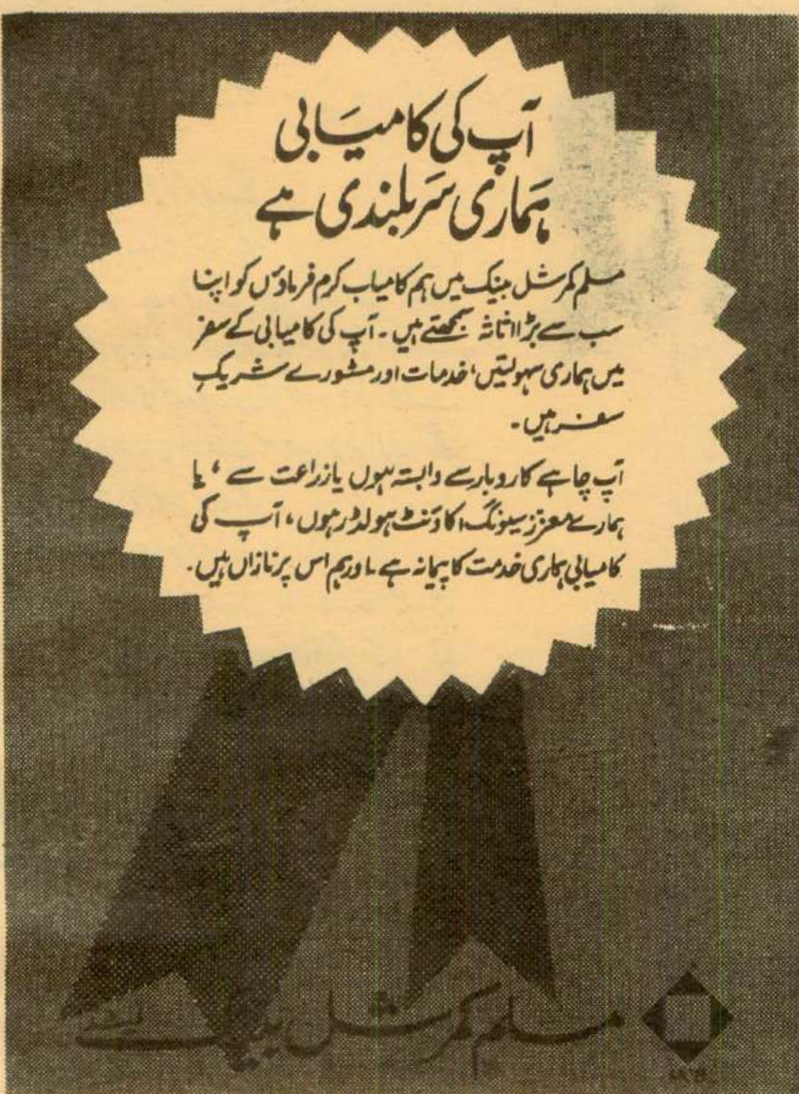
آپ کی کامیابی
ہماری سربلندی ہے
مسلم کمرشل بینک میں ہم کامیاب کرم فرماؤں کو اپنا سب سے بڑا اثاثہ سمجھتے ہیں۔ آپ کی کامیابی کے سفر میں ہماری سہولتیں، خدمات اور مشورے شریکِ سفر ہیں۔
آپ چاہے کاروبار سے وابستہ ہوں یا زراعت سے، یا ہمارے معزز سیونگ اکاؤنٹ ہولڈر ہوں، آپ کی کامیابی ہماری خدمت کا پیمانہ ہے، اور ہم اس پر نازاں ہیں۔
مسلم کمرشل بینک

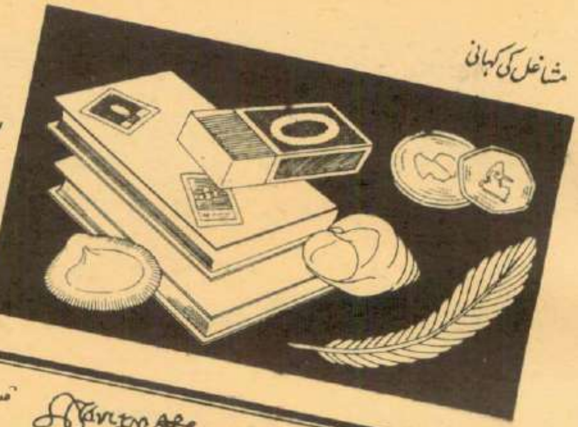

آٹوگراف

عقیل عباس جعفری

آپ نے اپنے دوستوں کے پاس چھوٹی چھوٹی سی کتابیں دیکھی ہوں گی جن کے رنگ برنگے صفحوں میں وہ مشہور لوگوں کے دستخط جمع کرتے ہوں گے. ان چھوٹی چھوٹی رنگ برنگی کتابوں کو "آٹو گراف بکس" کہا جاتا ہے. اور اس مشغلہ کو کہتے ہیں "آٹوگراف جمع کرنا". آیئے آج ہم آپ کو اس مشغلے کے بارے میں بتاتے ہیں.

"آٹوگراف" دو یونانی الفاظ سے مل کر بنا ہے۔ "آٹو" یعنی ذاتی اور "گراف" یعنی تحریر۔ چنانچہ "آٹوگراف" کے لفظی معنی ہوئے "ذاتی تحریر"۔ اسی لئے مشہور شخصیات کی ذاتی تحریروں کے لئے آٹوگراف کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ یہ تحریر قلمی مسوّدات کی شکل میں بھی ہوسکتی ہے اور خط کی شکل میں بھی۔ شعر کی شکل میں بھی ہوسکتی ہے اور کسی نصیحت یا پیغام کی شکل میں بھی یا محض دستخط کی شکل میں بھی۔ ہمارے یہاں یہ اصطلاح عام طور پر دستخط کے معنوں ہی میں رائج ہے۔

ابتدار میں آٹوگراف بُک کے لئے (ALBUM AMICORUM) کی اصطلاح استعمال کی جاتی تھی۔ جس کے معنی ہوتے تھے "دوستوں کی کتاب"۔ اس مشغلے کا آغاز ۱۴۹۰ء میں جرمنی سے ہوا۔ جہاں طلبا و طالبات اپنے دوستوں کے دستخط چھوٹی چھوٹی ڈائریوں یا کتابوں میں محفوظ کیا کرتے تھے۔ سولہویں صدی میں یہ مشغلہ ناروے، بلجیم، ہالینڈ اور برطانیہ تک پھیل گیا۔ چنانچہ ایک انگریز طالب علم سیموئل پیپز کی (ALBUMA MICORUM) آج بھی کیمبرج (برطانیہ) کے میگ ڈے لین کالج میں محفوظ ہے۔ سترہویں صدی میں یہ مشغلہ پورے یورپ میں مقبول ہوچکا تھا۔ اور لوگ مشہور شخصیات کی تحریریں اور دستخط جمع کرنے میں بہت ذوق و شوق کا مظاہرہ کرنے لگے تھے۔ مشہور مصنف جان رسکن تو آٹوگراف دیتے دیتے اس قدر تنگ آگیا تھا کہ اس نے اپنے مداحین کو چھپے ہوئے ممانعت نامے بھیجنے شروع کردیئے تھے۔

"ازراہِ کرم آٹوگراف مانگ کر شرمندہ نہ کریں"۔

آج کل "آٹوگراف" جمع کرنے کا شوق طلبا و طالبات میں بہت مقبول ہے۔ اس مشغلہ کے پیچھے شخصیت پرستی کی انسانی جبلّت موجود ہے۔ متعدد لوگ اپنے پسندیدہ ادیبوں، شاعروں، کھلاڑیوں، فلم، ٹیلیویژن اور ریڈیو کے فنکاروں، اور سیاسی رہنماؤں کے دستخط حاصل کرتے ہیں۔ بعض لوگ ایسے مواقع پر اپنے لئے کوئی خاص پیغام یا شعر لکھنے کی درخواست کرتے ہیں۔ جس سے اس آٹوگراف کی اہمیت میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

دنیا کی مشہور لائبریریاں اور میوزیم بھی مشاہیر کی ذاتی تحریریں مخطوطات کی

شکل میں محفوظ رکھتی ہیں۔ چنانچہ برٹش میوزیم لندن، ڈیٹکن لائبریری روم، نیشنل آرکائیوز پیرس اور لائبریری آف کانگریس واشنگٹن (ڈی سی) میں مشاہیر کے ذاتی مخطوطات کے بہت اچھے ذخائر محفوظ ہیں۔ نیشنل میوزیم کراچی میں بھی قائداعظم اور تحریک پاکستان کی دوسری شخصیات کی ذاتی تحریروں پر مشتمل ایک بہت بڑا ذخیرہ محفوظ ہے۔

استنبول (ترکی) کے توپکاپی میوزیم میں بھی ایسے مخطوطات محفوظ ہیں۔ جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہیں سرورِ کائناتؐ، حضرت علیؓ اور دیگر صحابیوںؓ نے اپنے دست مبارک سے تحریر کیا ہے۔

ذاتی تحریریں محفوظ کرنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر کسی تاریخی مسئلہ پر کوئی اختلاف پایا جاتا ہو تو ذاتی تحریر کو سند تسلیم کیا جاتا ہے۔ اور فیصلہ اسی تحریر کی روشنی میں کیا جاتا ہے۔ مثلاً علامہ اقبال کی تاریخ پیدائش ایک عرصہ تک ۲۲ فروری ۱۸۷۳ء مانی جاتی رہی۔ مگر علامہ اقبال نے ۱۹۰۸ء میں اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے میں اپنی تاریخ پیدائش ۳ ذی قعد ۱۲۹۴ھ درج کی تھی۔ چنانچہ علامہ کی ذاتی تحریر کو سند مانتے ہوئے حکومت پاکستان نے ۳ ذی قعد ۱۲۹۴ھ مطابق ۹ نومبر ۱۸۷۷ء کو ہی علامہ اقبال کی صحیح تاریخ پیدائش تسلیم کیا۔

قائداعظم محمد علی جناح کی تاریخ پیدائش میں بھی خاصہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ مختلف مدرسوں کے داخلہ رجسٹر قائد کی تاریخ پیدائش الگ الگ بتاتے تھے۔ مگر چونکہ قائد اعظم نے اپنے پاسپورٹ میں اپنی تاریخ پیدائش ۲۵ دسمبر ۱۸۷۶ء تحریر کی تھی۔ اس لئے اب اسی تاریخ کو مستند سمجھا جاتا ہے۔

مشہور عالم شخصیات کے آٹو گراف کی خرید و فروخت بھی ہوتی ہے۔ بالخصوص اگر کسی کتاب پر اس کے مصنف کے دستخط بھی موجود ہوں تو اس کتاب کی قدر و قیمت میں کئی گنا اضافہ ہوجاتا ہے

آٹو گراف کی قیمتیں دستخطوں سے لے کر خطوط، ڈائریوں اور مخطوطات کی صورت میں دستاویز کی اہمیت کے اعتبار سے بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ اور بسا اوقات لاکھوں روپوں تک جا پہنچتی ہیں۔ آٹو گراف کی خرید و فروخت میں ڈیلر کی اچھی شہرت بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اور یہ بات

بھی کہ وہ پرانی تحریروں اور مختلف شخصیات کے طرزِ تحریر پڑھنے میں مہارت رکھتا ہو۔ اور اسے اس سلسلہ میں سند سمجھا جاتا ہو۔

جو شخص جتنا زیادہ مشہور اور مقبول ہو۔ اس کے آٹوگراف کی قیمت بھی اتنی ہی زیادہ ہوتی ہے۔ تاہم بعض اوقات دستاویز کی اہمیت کے باعث غیر مشہور افراد کے دستخط بھی بہت زیادہ قیمتی ہو جاتے ہیں۔

مشہور ڈرامہ نگار جارج برنارڈ شا کی زندگی ہی میں ان کے آٹوگراف کی قیمت بیس پونڈ تھی۔ چنانچہ یہ مشہور ہے کہ ایک مفلس آدمی شا کے پاس مالی اعانت کے لئے پہنچا تو شا نے اسے ایک کاغذ پر اپنے آٹوگراف دے دیئے اور اسے کہا کہ وہ اسے بیس پونڈ کا نوٹ سمجھے اور اس آٹوگراف کے عوض کسی بھی کتب فروش سے بیس پونڈ حاصل کر سکتا ہے۔

امریکہ کے موجودہ صدر رونالڈ ریگن کا ایک خط جو انہوں نے فرینک سناترا کے نام تحریر کیا تھا، ۲۲ جنوری ۱۹۸۱ء کو ۱۲½ ہزار ڈالر میں فروخت ہوا تھا۔ یہ کسی بھی زندہ شخصیت کے آٹوگراف کی قیمت کا عالمی ریکارڈ ہے۔

امریکہ ہی کے صدر ابراہام لنکن کی مشہور تقریر جو انہوں نے گٹس برگ کے مقام پر کی تھی؛ کا ایک نسخہ ۱۹۴۹ء میں بیس ہزار پونڈ میں فروخت ہوا تھا۔ مشہور مصنف لوئیس کیرول کی کتاب ایلس ان ونڈر لینڈ کا مسودہ ۱۹۴۶ء میں ساڑھے بارہ ہزار پونڈ میں فروخت ہوا تھا۔

آٹوگراف کیسے جمع کریں

آٹوگراف جمع کرنے کے لئے چھوٹی چھوٹی "آٹوگراف بکس" ہر اچھے کتب فروش کے یہاں دستیاب ہوتی ہیں۔ آپ ان آٹوگراف بکس پر اپنی پسندیدہ شخصیات کے دستخط حاصل کر کے محفوظ کر سکتے ہیں۔ بھانت بھانت کے لوگوں اور مختلف شعبہ ہائے زندگی کے افراد کے آٹوگراف جمع کرنے سے بہتر ہے کہ ایک ہی شعبہ کے افراد کے دستخط جمع کئے جائیں تاکہ آپ کی آٹوگراف بک کی انفرادیت برقرار رہے۔ شخصیات کے انتخاب کے لئے آپ اپنے طور پر ایک معیار مقرر کر سکتے ہیں

امجد اسلام امجد

گیت

ٹُن ٹُن ٹُن ٹُن تارا
بجے رات کے بارہ

چھت پر بلّی بھاگی ہے
نیند سے گڑیا جاگی ہے

بلّی نے اِک چوہا مارا
ٹُن ٹُن ٹُن ٹُن تارا
بجے رات کے بارہ

گلی میں بولا چوکیدار
چوروں سے رہنا، ہشیار

اتنے میں گھڑیال پکارا
ٹُن ٹُن ٹُن ٹُن تارا
بجے رات کے بارہ

CAT BRAND
REGISTERED TRADE MARK NO. 56022
آپ کی پسندیدہ اور مقبول ترین
بلّی مارکہ
میٹرو مِلن
اگربتّی
METRO MILAN
AGARBATTI
بھینی بھینی
اور مسحور کُن خوشبو والی
بلّی مارکہ
میٹرو مِلن اگربتّی
سیلوفین ایئر ٹائٹ پیکنگ میں
ٹیئر اسٹریپ کے ساتھ
تمام ممتاز ڈیلروں سے دستیاب ہے۔
تیار کردہ:
میٹرو اگربتی کمپنی پوسٹ بکس نمبر ۴۸۸ کراچی
فون: ۲۹۲۷۳۷ - ۲۹۰۸۷۷ - ٹیلکس، ۲۳۴۳۴ میٹرو پی کے

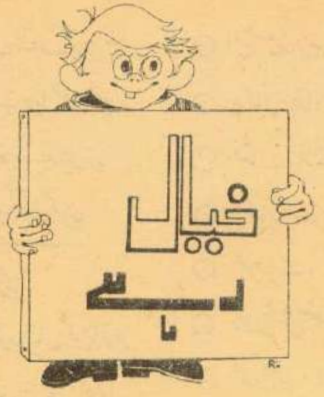

اگر آپ بچوں کے خوبصورت ماہنامہ آنکھ مچولی کے لئے کچھ لکھنا چاہتے ہیں تو مندرجہ ذیل باتوں کا خیال ضرور رکھیں۔

(۱) براہ کرم جو تحریر بھی ہمیں بھجوائیں وہ آپ کی اپنی تخلیق ہو، نقل یا چوری کی تحریر ناقابل اشاعت ہوگی۔

(۲) تحریر کاغذ کے ایک جانب ایک سطر چھوڑ کر صاف اور خوشخط لکھیں۔

(۳) اقوالِ زریں اور معلومات عامہ سے متعلق آئندہ کوئی چیز ہمیں نہ بھجوائیں۔ انشاءاللہ یہ سب چیزیں ہم آپ کی خدمت میں پیش کرتے رہیں گے۔

(۴) اقوالِ زریں اور معلومات عامہ کی جگہ آپ اچھی اچھی کہانیاں، نظمیں، گیت، مضامین دلچسپ، واقعات، مزاحیہ تحریریں، لطائف، خاکے، اور ناقابل فراموش واقعات تحریر کریں تاکہ آپ کی تخلیقی صلاحیتوں میں اضافہ ہو اور آپ مستقبل کے بڑے ادیب بن سکیں۔

(۵) اگر آپ کے کچھ دوست بھی بچوں کے لئے اچھی تحریریں لکھ لیتے ہیں تو انہیں بھی "آنکھ مچولی" میں لکھنے کی دعوت دیجئے۔

(۶) جن تحریروں میں نیا پن اور دلچسپی ہوگی ہم انہیں انعام بھی دیں گے اور آپ کے نام اور پتے کے ہمراہ شائع بھی کریں گے۔

(۷) کہانی یا مضمون بھجوانے سے قبل اس کی ایک کاپی اپنے پاس محفوظ کرلیں کیونکہ ادارہ اس کی واپسی کے لئے پابند نہیں۔ جو بچے اپنی کہانی واپس منگوانا چاہتے ہیں وہ کہانی کے ہمراہ جوابی لفافہ بھی بھجوائیں۔

ان تمام بچوں نے خطوط لکھ کر ہمیں مختلف تجاویز اور آراء بھجوائیں، فرداً فرداً سب کا جواب دینا ممکن نہیں تھا، اس لئے سب کے نام شائع کئے جا رہے ہیں، یہ سب دوست خط لکھنے پر ہمارا شکریہ قبول کریں۔

- محمد ادریس قمر، کراچی
- عثمان الاسلام، بدوکی گوسائیاں، گوجرانوالہ
- محمد منیرہ چوہان، بی/۳۶ لانڈھی، کراچی،
- طاہرہ علی سحر، ملیر ہالٹ، کراچی
- ملک ہارون الرشید، بھون چوک، چکوال
- محمد یونس، بادامی باغ، لاہور
- الامین اکبر علی، کورنگی نمبر ۲، کراچی
- وسیم احمد، شاہد صابر، نیو کراچی
- کاشف حسین، رئیس حسین، نارتھ کراچی
- غلام شبیر عادل، دہابیجی، ٹھٹھہ
- پرنس راشد شاہد، کراچی
- اسحاق پرویز، شیر شاہ کالونی، کراچی
- محمد عمران احمد، کراچی
- شہزاد احمد مرزا، ناتھا خان گوٹھ، کراچی
- زاہد فاروقی، گڑھی موازخاں، کوہاٹ
- محمد سعید عباس، ملیر توسیعی کالونی، کھوکھراپار کراچی
- جمیل الدین احمد، دومیل، ضلع اٹک
- ثاقب مجید شیخ، پیپلز کالونی، فیصل آباد،
- خرم محبوب کنول، ہری پورہ ہزارہ
- امیر حسین امیر، سرکٹ ہاؤس، مالاکنڈ ایجنسی
- سید کمال رضا، نارتھ ناظم آباد کراچی
- افشاں، نارتھ کراچی
- اظہار احمد اسرار، ناظم آباد، کراچی
- عمر حیات، کریم آباد، ٹنڈو محمد خان
- رسول بخش سیٹھو، ٹنڈو محمد خان
- محمد علیم، لانڈھی نمبر ۴، کراچی
- محمد یوسف قریشی، خانیوال
- وسیم احمد نعیم، ناظم آباد
- ارشاد محمد شیخ، لطیف آباد نمبر ۱۱، حیدرآباد
- شام داس، کوٹ غلام محمد، تھرپارکر
- سلطان بشیر، جی/۶-۴، اسلام آباد
- عدنان، نوحان، ذیشان، صائمہ، بینا، صدف اور نائلہ ایاز، کراچی،
- رضوان حفیظ خرم، ہیڈکوارٹر ہسپتال، پنڈ دادنخان
- محمد طاہر رضا، میرپور خاص
- سید یعقوب علی، مین بازار ہڈالی، خوشاب
- ناصر علی، گوجرخان، ضلع راولپنڈی
- نبیل احمد، پشاور
- نور احمد، کروگاپ، بلوچستان
- امان اللہ اور لیاقت علی، شاہی بازار، سکھر
- شاہد انور، شمس آباد، راولپنڈی،
- سہیل فاروق ملک، فیصل آباد شہر
- محمد ارشد، ملیر کالونی، کراچی

Montgomery

Biscuits, Sweets and Toffees

The Height of Delight!

وطن کی عظمت کے پاسبانو
تمھیں ہمارا اسلام پہنچے

تیرے غازی تیرے جانباز

غازی مختار

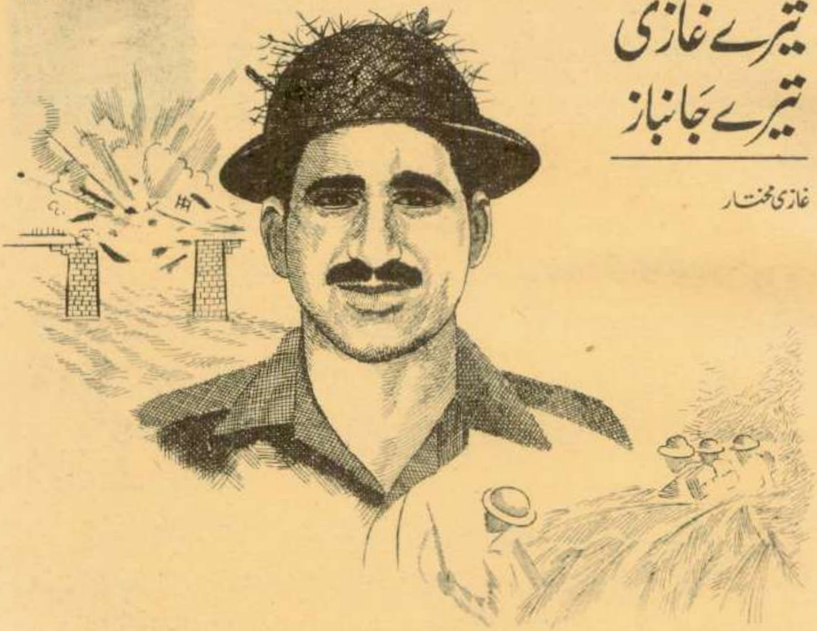

غازی مختار کا نام آپ کے لئے نیا نہیں ہے۔ آنکھ مچولی کے گزشتہ دو شماروں میں ان کی لکھی ہوئی کہانیاں "فرض شناسی" اور "جیسے کو تیسا" آپ پڑھ چکے ہیں۔ یہ انکشاف شائد آپ کے لئے حیرت اور خوشی کا باعث ہو کر غازی مختار ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ میں ایک ایسے مجاہد کی حیثیت سے شریک ہو چکے ہیں جس نے سیالکوٹ کے محاذ پر دشمن سے لڑتے ہوئے اپنی ایک مکمل ٹانگ اور ایک پاؤں کی قربانی دی اور یوں اپنے عمل سے ثابت کر دکھایا کہ "ہم وطن کو اپنی جانوں سے زیادہ عزیز سمجھتے ہیں۔"

موت کو بہت قریب سے دیکھنے والے غازی مختار نے یہاں جنگ ستمبر کے ایک ناقابل فراموش واقعے کو قلم بند کیا ہے۔ آگ اور خون کے اس معرکے میں شرکت کے وقت ان کی عمر ۱۹ سال تھی۔ اس موقع پر ہم انہیں اور ان جیسے بہتیرے جیالوں کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ آزادی کے ان رکھوالوں کا جذبہ سلامت رکھے اور خدا کرے ہمارے وطن پر کبھی کوئی آنچ نہ آئے۔

(ادارہ)

ہر طرف رات کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ جنگل و بیابانوں میں موت کا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ لوگ اپنے اپنے گھروں میں بستروں پر محوِ خواب تھے۔ رات کے آخری پہر میں اچانک مشرق کی سمت سے وطنِ عزیز پر حملہ ہوا ... مکروہ عزائم اور حرص و ہوس کے ماروں نے بغیر اعلان جنگ کے پاکستان پر حملہ کر دیا۔

باوجود یہ کہ دونوں فوجوں میں تعداد اور آلات حرب کا بڑا فرق تھا لیکن وہ شاید یہ بھول گئے تھے کہ انہوں نے ایسی قوم کو للکارا ہے جس کی تاریخ شجاعت اور جواں مردی کی داستانوں سے بھری پڑی ہے۔ پہاڑوں سے ٹکرانا اور سمندروں میں گھوڑے ڈال دینا جس کی روایت ہے۔
دشمن نے رات کے اندھیرے میں پاکستان پر ہلہ بولا تو پاک پروردگار کے ساتھ پاک فوجی بھی جاگ رہا تھا۔

۱۷ روزہ جنگ میں ہمارے جیالے سپاہیوں نے ایسے کارنامے انجام دیئے کہ تاریخ میں جب بھی جاں باز اور بہادر قوم کا تذکرہ آئے گا ہمارا نام سرِفہرست ہوگا دشمن کا جنگی سازوسامان اور اس کی فوجوں کی تعداد ہم سے دس گناہ زیادہ تھی۔ مگر ہم حق پر ثابت قدم تھے اور اللہ تعالیٰ نے ہم پر وہ فضل کیا جس کا اُس نے وعدہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔
"اگر تم میں سے بیس آدمی صابر ہوں تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے۔ کیوں کہ وہ (کفار) سمجھ نہیں رکھتے۔"

ستمبر ۶۵ء کی جنگ میں پاک افواج نے دنیا کی تیز ترین جنگ لڑی۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد دنیا کی سب سے بڑی ٹینکوں کی جنگ جیتی۔ اسکواڈرن لیڈر ایم۔ ایم عالم نے دشمن کے گیارہ طیارے گرا کر فضائی جنگ کا نیا عالمی ریکارڈ قائم کیا۔ صرف ایک سو جیالوں نے بھارت کے پورے بریگیڈ کو روک دیا — اسی طرح کے اور بہت سے کارنامے تاریخ کے مستقل باب بن گئے۔
ساتھیوں آپ نے، میجر جنرل ابرار حسین، میجر عزیز بھٹی، کیپٹن سرور شہید، بریگیڈیر شامی میجر ضیاالدین عباسی، میجر خادم حسین، میجر شفقت بلوچ، اسکواڈرن لیڈر، ایم۔ ایم عالم فلائٹ لیفٹیننٹ یونس حسن، سیف اللہ خان لودھی اور بہت سے جیالوں کے کارنامے ضرور پڑھے ہوں گے۔

سچی بات یہ ہے کہ جنگ ستمبر کا ہر مجاہد جواں مردی اور جاں نثاری کا پیکر ہے اس جنگ میں شہادت ہی سب کا مطلوب و مقصود تھی۔

ہر مجاہد اپنی اپنی جگہ لڑا اور خوب لڑا اور ہم کسی پر کسی کو فوقیت نہیں دے سکتے۔ بہت سی خونچکاں داستانیں اب تک منظر عام پر نہیں آسکی ہیں۔ ہر مجاہد اپنی جگہ جواں مردی کی جیتی جاگتی داستان ہے آپ ہی بتلائیں کہ لاکھوں جوانوں کے کارنامے الگ الگ کیسے جمع کئے جا سکتے ہیں۔

آج ہم آپ کو ایسے ہی ایک جواں مرد کی کہانی سنائیں گے جس کے نام اور کارنامے دونوں ہی سے شاید آپ لاعلم ہوں۔

جب دشمن کے ارادے لاہور سیکٹر میں خاک میں ملا دیئے گئے اور وہ بجائے آگے بڑھنے کے پسپا ہونے لگا تو اُس نے اپنے بے پناہ توپ خانوں، ٹینکوں بکتر بند گاڑیوں اور سپاہ کے ساتھ سیالکوٹ کی طرف سے بڑا حملہ کر دیا۔

اس اچانک حملہ میں دشمن نے "جسڑاں" کے پل پر اپنا کنٹرول حاصل کر کے سیالکوٹ پر دھاوا بول دیا۔

جسڑاں کا پُل فوجی نوعیت کا نہایت اہم پُل تھا اس لئے جنگ شروع ہونے سے بہت پہلے ہی سے اس میں منوں بارود پاکستانیوں نے لگایا ہوا تھا۔ تاکہ ہنگامی ضرورت کے تحت اسے جب چاہیں اڑایا جا سکے،

مگر دشمن کی شدید گولہ باری کے سبب یہ پُل اڑایا نہ جا سکا تھا اور اس طرح اس پر دشمن مکمل کنٹرول حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

پُل کو تباہ کرنا نہایت ضروری تھا۔ کئی طرح سے کوششیں کی گئیں مگر پُل پر موجود بھارتی سپاہی بہت چوکنے تھے اور پاکستانی مجاہدوں کو پُل کے قریب نہیں آنے دے رہے تھے۔ یہاں تک کہ اگر انہیں ذرا سا بھی شک ہو جاتا تو وہ دریا میں بہنے والے پانی میں بھی گولیوں کی بوچھاڑ کر دیتے۔

ملٹری انجینئرز کو حکم ملا کہ پُل کو ہر حال میں تباہ کر دیا جائے تاکہ دشمن کی سپلائی لائن ٹوٹ جائے لہٰذا چند سرفروشوں پر مشتمل ٹیم ایک جیپ میں پُل کی طرف روانہ کی گئی۔

منصوبہ کے مطابق اس ٹیم کو براہ راست پُل پر پہنچنے کے بجائے جس طرف سے پانی پُل کے

نیچے بہہ رہا تھا اُس طرف اُوپر کچھ فاصلہ پر دریا کے کنارے ایک مقام پر پہنچنا تھا۔ جو آپریشن پوائنٹ تھا۔ اور یہیں سے تمام کارروائی شروع کرنا تھی۔

کچھ رات گئے مجاہدین کی یہ ٹولی جب اپنے مشن پر روانہ ہوئی تو ہر طرف توپوں کی گھن گرج اور رائفلوں، مشین گنوں کے دھماکے پھیلے ہوئے تھے۔ اور فضاء میں ہر طرف گولیوں کے جگنو چمک رہے تھے۔

رات اندھیری تھی مگر آسمانوں میں وقفہ وقفہ سے پگھلا ہوا لوہا اور آگ اُڑ رہی تھی۔ اور اس سے کبھی کبھی زمین بھی خون رنگ روشنی میں نہا جاتی تھی۔

مجاہدوں کی ٹولی پر کئی جگہ فائر کئے گئے مگر یہ دشمن سے ٹکرانے کے بجائے اپنے ٹارگٹ پر پہنچنے کے لئے بڑھتے رہے۔

ابھی آدھا راستہ بھی طے نہیں ہوا تھا کہ دشمن کی توپ کا ایک گولہ جیپ کے قریب آکر گرا جیپ کی ایک سائڈ کے پرخچے اُڑ گئے اور دو جوانوں نے جام شہادت نوش کیا۔ کچھ جوان شدید زخمی ہوگئے۔ دونوں شہیدوں کی لاشیں ٹوٹی ہوئی جیپ میں رکھ کر باقی جوان آپریشن پوائنٹ کی طرف چل دیئے۔

اس علاقہ میں قدم قدم پر دشمن موجود تھا اور مجاہدوں کی یہ چھوٹی سی ٹولی دشمن سے بچتے بچاتے آگے بڑھتی جا رہی تھی۔

کچھ زخمی اور مجاہد راستہ ہی میں دشمن سے الجھ کر بھٹک گئے، صرف تین جوان حشرات الارض کو روندتے، کیچڑ میں لتھڑے بدن پر خراشیں بجائے رات ڈھلے اپنی منزل تک پہنچ سکے۔ ان میں سینئر حوالدار عزیز بھی شامل تھا۔

تینوں نے اردگرد جنگل اور دریا کے کنارے کا اچھی طرح جائزہ لیا اور درختوں کی ٹہنیاں اور گھاس جمع کی۔

حوالدار عزیز نے ساتھیوں کو ہدایات دینا شروع کیں "ایک ساتھی دریا میں اترے گا۔ اسے سوکھے گھاس اور درختوں کی ڈالیوں اور پتوں سے کیمو فلاج کردیا جائے گا۔ وہ ساتھی دریا میں خاموشی سے تیرتے ہوئے پل کے نیچے پہنچنے کی کوشش کرے گا۔"——"خبردار آواز بالکل نہ ہو۔ ورنہ دشمن پانی میں ہی برسٹ مار دے گا"——"پل کے نیچے پہنچ کر پُل کے ستون کے ساتھ رُکے گا اور وہاں لگے ہوئے بارود کو اپنی بارودی ماچس سے آگ دکھائے گا"——"باقی ساتھی اسی جگہ انتظار کریں گے"

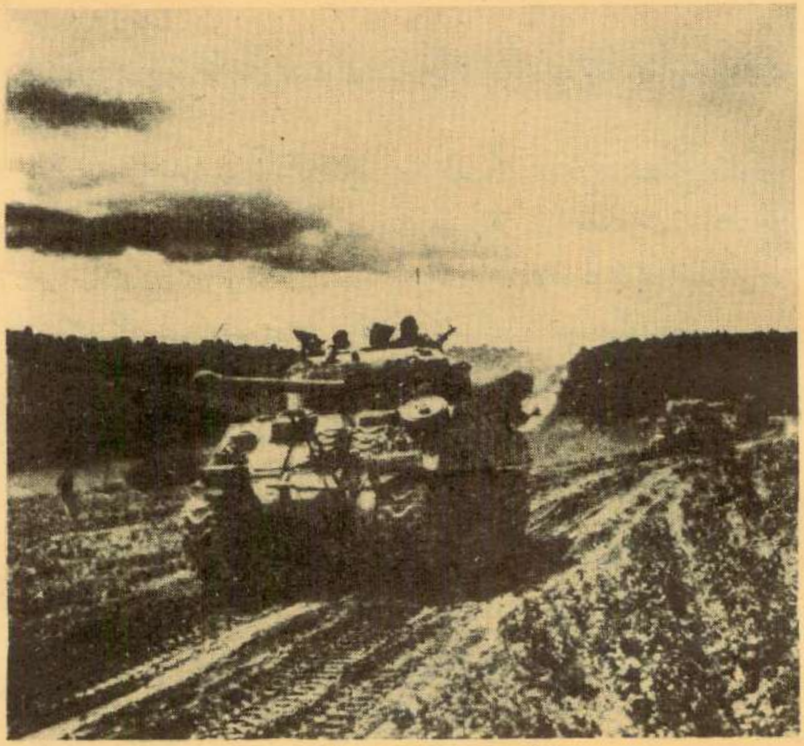

روکے گا مجھے کون میرے ساتھ خدا ہے

"اگر بیس منٹ تک کوئی بڑا دھماکہ نہ ہوا اور پُل تباہ نہ ہوا تو سمجھ لیں کہ ساتھی پل تک پہنچنے سے پہلے ہی دشمن کی نظروں میں آگیا اور شہید کر دیا گیا ہے" ——— "ایسی صورت میں دوسرا ساتھی پانی میں اترے گا اور وہ بھی پہلے کی طرح پانی میں تیرتے ہوئے پُل تک پہنچے گا اور پل تباہ کرے گا۔" ——— "اگر دوسرا ساتھی بھی شہید ہو جائے اور پُل تباہ نہ ہو" ——— تو بیس منٹ کے انتظار کے بعد تیسرا ساتھی اس طرح اپنے مشن پر روانہ ہوگا۔"

ہدایات ختم ہوتے کے ساتھ ہی تینوں میں بحث ہونے لگی۔ ہر ایک یہ چاہتا تھا کہ وہ پہلے موت کے منہ میں جائے گا پُل کو تباہ کرے گا اور خود بھی پُل کے ساتھ ہی جام شہادت نوش کرے۔

انیس سالہ نوجوان سپاہی جو صرف دو ماہ پہلے اپنی ٹریننگ مکمل کر کے فیلڈ میں پہنچا تھا بضد تھا کہ وہ سب سے جونیئر ہے لہٰذا یہ اس کا حق ہے کہ پہلے اُسے شہادت پر روانہ ہونے

کی اجازت دی جائے۔

سینیئر سپاہی چاہتا تھا کہ سینیئر ہونے کے ناطے پہلا حق اُس کا ہے لہٰذا اُسے شہادت کو گلے لگانے دیا جائے۔

مگر حوالدار عزیز نے اپنا آرڈر سنایا کہ وہ رینک میں ان دونوں سے سینیئر ہونے کی وجہ سے اس وقت کا کمانڈر ہے لہٰذا پہلے وہ خود جائے گا۔ اور اگر خدانخواستہ وہ ناکام رہا تو ایسی صورت میں سینیئر سپاہی مشن پر روانہ ہوگا۔ اگر وہ بھی پُل اڑانے سے پہلے شہید ہوگیا تو آخر میں رنگروٹ (سب سے جونیئر سپاہی) پُل اڑانے کے لئے دریا میں کود ے گا۔

تینوں نے گڑگڑا کر مشترکہ طور پر اپنے ربّ سے اپنے مشن کی کامیابی کے لئے دعا مانگی اپنی گھڑیوں میں وقت دیکھا۔ اور حوالدار عزیز آہستگی سے دریا میں اتر گیا۔

دونوں ساتھیوں نے عزیز کے سر پر درختوں کی چند ٹہنیاں اور سوکھی گھاس ڈال کر عزیز کو چھپا دیا تو عزیز پانی کے بہاؤ کے ساتھ کھڑے کھڑے پانی میں تیرتے ہوئے پُل کی طرف بڑھنے لگا۔

دونوں ساتھی دریا کے کنارے سینے کے بل لیٹے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑے کچھ دیر پانی میں آہستہ آہستہ تیرتی گھاس کو دیکھتے رہے۔ پھر جب گھاس نظروں سے اوجھل ہوگئی تو دھڑکتے دلوں سے پُل کی سمت اندھیروں کو گھورنے لگے۔

ابھی پندرہ منٹ ہی گزرے تھے یا شائد سترہ کہ ایک زوردار دھماکہ ہوا۔ روشنی کا ایک آنکھیں چندھیانے والا شدید جھماکہ ہوا جس میں پُل کے حصّے اور پُل پر متعین بھارتی فوجی ہوا میں اڑتے دکھائی دیئے۔ چیخ و پکار کے ساتھ دوبارہ گھُپ اندھیرا پھیل گیا۔

دھماکہ کے ساتھ ہی دبی آواز اُبھری اور آنکھیں بھر آئیں —— اپنے مشن کی کامیابی اور کی دبی دبی آواز اُبھری اور آنکھیں بھر آئیں —— اپنے مشن کی کامیابی اور ساتھی کی حصول شہادت میں کامیابی پر اپنے ربّ کے شکرانے میں یہ موتی آکر پلکوں میں الجھے تھے۔

حوالدار عزیز کو معلوم تھا کہ جب پُل میں لگے منوں بارود کو آگ دکھائے گا تو بارود کے ساتھ وہ بھی ریزہ ریزہ ہو کر فضاؤں اور پانیوں میں بکھر جائے گا۔ مگر اپنی جان کی کسے فکر تھی۔ اگر فکر تھی تو پاکستان کی بقاء اور سلامتی کی فکر تھی تو اپنے اللہ کے حضور سرخروئی کی۔

حوالدار عزیز کو نہ نہلایا گیا۔ نہ کفنایا گیا، نہ ہی دفنایا گیا۔ اس کی ایک بوٹی بھی نہیں ملی۔ آج حوالدار عزیز کی کہیں قبر نہیں مگر وہ اب بھی کل ہی کی طرح اپنے ساتھیوں کے دلوں میں رہتا ہے۔ اُس کا حوصلہ پوری افواج پاکستان کے سینوں میں موجود ہے۔

پیارے بچو ——— تمہارے خوشی سے دمکتے چہروں پر جو خون کی سرخی ہے اس میں حوالدار عزیز اور دوسرے شہیدوں اور غازیوں کے خون کی سرخی کی جھلک ہے۔ تمہارے تندرست و توانا جسم، تمہارے ہاتھ پاؤں انہی شہیدوں اور غازیوں کے دست و بازو ہیں، جنہوں نے تمہاری "کل" کے لئے اپنا آج قربان کیا۔

آزادی قربانیاں دے کر حاصل کی جاتی ہے اور قربانیاں دیتے رہنے سے ہی قائم رہتی ہے۔ ۶۵ کے شہیدوں اور غازیوں نے اپنا فرض جس خوبی اور خوش اسلوبی سے انجام دیا آج ہم اس پر جتنا فخر کریں کم ہے۔ انہوں نے اپنا فرض پورا کیا۔ اب ہمیں اپنا فرض پورا کرنا ہے۔ آپ سب خوب لکھا، پڑھا کریں جس سے آپ کے جسموں کو طاقت اور توانائی ملے۔ ایسی کتابیں پڑھا کریں جو آپ کے ذہن کو مذہب اور وطن کی محبت سے سرشار کردیں۔

اور ہاں کسی چلنے پھرنے سے لاچار، خمیدہ کمر بوڑھے کا مذاق مت اڑانا ہو سکتا ہے وہ اپنے بڑھاپے کے جوان سہارے کو اس ملک کی سرحدوں پر قربان کر چکا ہو ——— کسی بوڑھی ماں کا دل نہ دکھانا، ہو سکتا ہے وہ بوڑھی عورت کسی شہید کی ماں ہو ——— کسی بہن کی دل آزاری مت کرنا، ہو سکتا ہے اُس نے اپنا سہاگ تمہاری سلامتی کے لئے قربان کردیا ہو ——— اپنے کسی ساتھی کو مت دھتکارنا، ہو سکتا ہے یہی تمہارے کسی شہید کا یتیم بچہ ہو ——— کسی ساتھی معذور کو دیکھ کر ٹھٹھول نہ کرنا، ہو سکتا ہے یہ ہی تمہارا ۶۵ کا غازی ہو۔

بچو! قومیں اپنے اسلاف کی یادوں کے سہارے زندہ رہتی ہیں ——— جو قومیں اپنے اسلاف کی یادوں کو دل سے بھلا دیتی ہیں وہ قومیں حرفِ غلط کی طرح مٹا دی جاتی ہیں۔

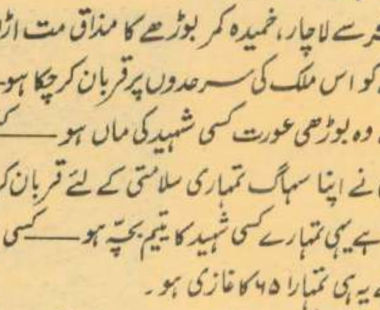

Shield
The tooth brush with a difference
Shield
Made of Food Grade Plastic
Shield
Made of Food Grade Plastic
Shield
Your teeth insurance
• Made of FOOD GRADE PLASTIC
• Highest quality nylon bristles from Dupont,USA
• Rounded tips-dual texture
• Unbreakable longer handle
• Elegantly designed for better grip
A unique combination of two kinds of bristles
OUTER LAYER-For protection & gentle massage of gums
INNER LAYER-For effective cleaning of teeth
Shield
Your teeth insurance

STB-2/85

CNPS

علی نوری

ایشین گیمز

کھیلوں کے سلسلے میں ہم اس شمارہ میں آپ کو ایشین گیمز کے بارے میں بتائیں گے جو جنوبی کوریا کے دارالحکومت سیول میں ستمبر ۱۹۸۶ء میں ہونے والے ہیں۔ جس میں ایشیائی ملک ہونے کے ناطے یقیناً پاکستان بھی شرکت کرے گا۔ پاکستان ان کھیلوں میں ہاکی اور کشتی رانی کا موجودہ ایشیائی چیمپئن بھی ہے۔ سیول ہی میں ۱۹۸۸ء کے اولمپک گیمز بھی منعقد ہونے والے ہیں۔

بات ہو رہی تھی ایشین گیمز کی جس طرح دنیا بھر کے ممالک کے لئے اولمپک گیمز کے نام سے کھیلوں کے مقابلے منعقد ہوتے ہیں۔ اسی طرح بر اعظم ایشیاء کے ممالک کے درمیان ایشین گیمز کے نام

سے کھیلوں کے مقابلے منعقد کئے جاتے ہیں۔ ایشین گیمز کا آغاز تو ۱۹۵۱ء میں ہوا۔ لیکن یہ نظریہ بے حد قدیم ہے جب ۱۹۱۳ء میں اورینٹل گیمز کے نام سے فلپائن کے دارالحکومت منیلا میں کھیلوں کے مقابلے منعقد کئے گئے جس کے بعد بھی یہ سلسلہ مشرق بعید چمپئن شپ کے نام سے جاری رہا۔ لیکن ان کھیلوں کی حیثیت علاقائی رہی اور انہیں پورے ایشیاء کی نمائندگی قرار نہیں دیا جا سکتا تھا۔

جب ۱۹۴۸ء میں لندن میں اولمپک گیمز منعقد ہوئے تو وہاں پر اس موقع پر موجود ایشیائی ممالک کے کھیلوں کے عہدیدار اکٹھا ہوئے اور نہایت سنجیدگی سے براعظم ایشیاء کے لئے اجتماعی کھیلوں کے مقابلے منعقد کرانے پر متفق ہو گئے یوں ۱۹۵۱ء میں نئی دھلی میں پہلی بار ایشین گیمز کا انعقاد ہوا۔ لیکن ان گیمز میں پاکستان نے شرکت نہیں کی۔ جبکہ دوسرے ایشین گیمز جو ۱۹۵۴ء منیلا میں منعقد ہوئے ان میں پاکستان نے پہلی بار شرکت کی۔ اور اپنی پہلی ہی شرکت میں ۵ طلائی تمغے سمیت ۱۳ تمغے جیت کر شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ ہاکی کو ان مقابلوں میں پہلی بار شامل کیا گیا اور پاکستان نے پہلے ایشین گیمز ہاکی چمپئن ہونے کا بھی اعزاز حاصل کیا۔ اس کے علاوہ پاکستان نے ایتھلٹکس، پہلوانی اور ویٹ لفٹنگ میں بھی تمغے جیتے۔

۱۹۵۸ء میں تیسرے ایشین گیمز جاپان کے دارالحکومت ٹوکیو میں منعقد ہوئے۔ گو کہ ان مقابلوں میں بھی گزشتہ کی طرح تمغوں کی دوڑ میں جاپان ہی سرفہرست رہا۔ لیکن پاکستان نے بھی کم وسائل کے باوجود بہترین کارکردگی پیش کی اور مجموعی طور پر ۲۶ تمغے جیتے۔ پاکستان نے ایتھلٹکس ۵ اور ہاکی میں

ایک طلائی تمغہ جیتا۔

۱۹۶۲ء کے جکارتہ ایشین گیمز میں پاکستانی نے ریکارڈ عمدہ کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجموعی طور پر ۲۸ تمغے جیتے۔ پہلوانی میں تین، ایتھلٹکس میں دو اور ہاکی میں پھر سے طلائی تمغہ جیت کر ہیٹ ٹرک

مکمل کرلی۔

لیکن اس کے بعد سوائے ہاکی کے پاکستان کا ایشین گیمز کے ٹریک اینڈ فیلڈ مقابلوں میں زوال شروع ہوگیا۔ جس کے ذمہ دار یقیناً ہمارے کھیلوں کے عہدیدار ہی ہیں۔ ۱۹۶۶ء میں بنکاک ایشین گیمز میں ایتھلٹکس میں صرف ایک طلائی تمغے سمیت پاکستان صرف ۸ تمغے ہی جیت سکا۔ جبکہ ہاکی کا اپنا اعزاز کھودیا۔ جبکہ ۱۹۷۰ء میں بنکاک ہی میں ہونے والے ایشین گیمز میں پاکستان صرف ہاکی ہی میں طلائی تمغہ جیت سکا۔ اس کے علاوہ باکسنگ اور ریسلنگ میں تمغے حاصل کئے گئے۔ ۱۹۷۴ء کے تہران ایشین گیمز میں ایتھلٹکس اور ہاکی میں طلائی تمغے جیتے۔ اس کے علاوہ باکسنگ، لان ٹینس اور پہلوانی میں تمغے حاصل کئے گئے۔

۱۹۷۸ء میں ایشین گیمز اسلام آباد میں ہونے والے تھے لیکن پاکستان کی معذرت کی وجہ سے گیمز پھر بنکاک میں ہوئے۔ جس میں پاکستان نے باکسنگ اور ہاکی میں طلائی تمغے جیتے اور کشتی رانی میں "بیراج آواری" نے اپنی اہلیہ کے ہمراہ پاکستان کو ان مقابلوں میں پہلے طلائی تمغہ سے نوازا۔

۱۹۸۲ء کے ایشین گیمز نئی دہلی میں ہوئے جس میں پاکستان نے مجموعی طور پر ۱۱ تمغے جیتے، جس میں ہاکی اور کشتی رانی کے مقابلوں میں پاکستان نے طلائی تمغے حاصل کئے۔

اب دیکھئے ۱۹۸۶ء کے ایشین گیمز ستمبر میں سیول میں ہونے والے ہیں۔ ان گیمز کی تیاری پاکستان نے کیا کی ہے۔ یہ گیمز کا نتیجہ اور تمغوں کا ٹیبل ہی بتا سکے گا۔

آج تک ہونے والے ایشین گیمز اور پاکستان کی کارکردگی

مارچ سنہ 1951ء	پہلے ایشین گیمز	پاکستان نے شرکت نہیں کی	مقام نئی دہلی بھارت
مئی سنہ 1954ء	دوسرے ایشین گیمز	پاکستان نے ۵ طلائی، ۶ نقرئی دو کانسی کے تمغے جیتے (کل ۱۳ تمغے)	مقام منیلا فلپائن
سنہ ۱۹۵۸ء	تیسرے ایشین گیمز	پاکستان نے ۶ طلائی، ۱۱ نقرئی اور ۹ کانسی کے تمغے جیتے (کل ۲۶ تمغے)	مقام ٹوکیو جاپان
سنہ ۱۹۶۲ء	چوتھے ایشین گیمز	پاکستان نے ۸ طلائی، ۱۱ نقرئی اور ۹ کانسی کے تمغے جیتے (کل ۲۸ تمغے)	مقام جکارتہ انڈونیشیا
سنہ ۱۹۶۶ء	پانچویں ایشین گیمز	پاکستان نے ایک طلائی، ۴ نقرئی اور ۳ کانسی کے تمغے جیتے (کل ۸ تمغے)	مقام بنکاک تھائی لینڈ
سنہ ۱۹۷۰ء	چھٹے ایشین گیمز	پاکستان نے ایک طلائی، دو نقرئی اور ۷ کانسی کے تمغے جیتے (کل ۱۰ تمغے)	مقام بنکاک تھائی لینڈ
سنہ ۱۹۷۴ء	ساتویں ایشین گیمز	پاکستان نے دو طلائی کوئی نقرئی نہیں اور ۸ کانسی کے تمغے جیتے۔ (کل ۱۰ تمغے)	مقام تہران ایران
سنہ ۱۹۷۸ء	آٹھویں ایشین گیمز	پاکستان نے تین طلائی، ۴ نقرئی اور ۹ کانسی کے تمغے جیتے (کل ۱۶ تمغے)	مقام بنکاک تھائی لینڈ
سنہ ۱۹۸۲ء	نویں ایشین گیمز	پاکستان نے دو طلائی، تین نقرئی اور ۶ کانسی کے تمغے جیتے۔ (کل ۱۱ تمغے)	مقام نئی دہلی بھارت

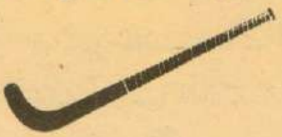

سلسلہ وار ناول
قسط نمبر ۱

رُومی بھیس بدلتا ہے

عظیم سرور

اتوار کا دن تھا اور رومی صبح کے شو میں فلم دیکھنے کے ارادے سے باہر نکلا تھا۔ اس کے کچھ دوستوں نے ایک فلم دیکھی تھی۔ اور سب ہی نے اس کی اتنی تعریف کی کہ رومی کے دل میں بھی یہ فلم دیکھنے کی خواہش پیدا ہوگئی۔ یہ فلم دو بچوں کی کہانی تھی جو پورے شہر میں گھومتے پھرتے ہیں اس فلم کے ذریعے رومی جاپان کے دارالحکومت ٹوکیو کی سیر کرنا چاہتا تھا۔

بس اسٹاپ بالکل خالی تھا اور شاید یہی وجہ تھی کہ دُور دُور تک کسی بس کا نام و نشان نہ تھا۔ بس کے انتظار میں کھڑے ہوئے پانچ منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ تیزی سے مڑتی ہوئی ایک کار قریب آکر رُک گئی۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے کار کا پچھلا دروازہ کھول کر ایک آدمی باہر نکلا۔ اور اپنی جیب سے ایک رومال نکال کر رومی کی طرف بڑھا۔ اس سے پہلے کہ رومی سنبھلتا اُس نے رومال رومی کے منہ پر رکھا اور اُسے اُٹھا کر کار میں پھینک دیا۔ رومی کی طبیعت خراب ہونے لگی۔ پھر اُسے کار کا دروازہ بند ہونے کی آواز سنائی دی۔ اور جب کار چل پڑی تو رومی کی آنکھیں آپ سے آپ بند ہونے لگیں۔

رومی کو جب ہوش آیا تو اُس نے دیکھا کہ وہ ایک بڑے سے کمرے کے فرش پر پڑا ہے
کمرے میں دو دروازے تھے اور دو ہی کھڑکیاں۔ اور وہ سب کے سب بند تھے، اُسے فکر ہوئی کہ وہ کس جگہ پر آگیا ہے اور کون لوگ اُسے یہاں لائے ہیں۔ یہ جاننے کے لئے اُس نے اُٹھنے کی کوشش کی لیکن کمزوری کی وجہ سے چکرا کر گر پڑا۔ گرتے ہی رومی کا ہاتھ ایک چھوٹے سے میز پر پڑا جس سے میز الٹ گئی۔ میز کے اُلٹنے سے کچھ شور پیدا ہوا اور پھر رومی کو کمرے کے باہر دو آدمیوں کے باتیں کرنے کی آواز سنائی دی اُس نے کان لگا کر سننے کی کوشش کی ایک کہہ رہا تھا۔

"شاید ہوش میں آگیا ہے لونڈا"

"چلو پھر چل کے گرُو کو بتائیں۔" دوسرے نے کہا۔

رومی ذرا سنبھل کر کرسی کے سہارے کھڑا ہوا اور دیوار کے ساتھ چلتا ہوا کھڑکی کے پاس آیا۔ شیشوں میں سے اُس نے باہر دیکھا دو آدمی ایک لمبے سے برآمدے میں چلے جا رہے تھے۔ رومی کو فکر ہونے لگی یہ لوگ اپنے گرُو کو اطلاع کرنے جا رہے ہیں۔ معلوم نہیں، وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرے۔ رومی نے یہاں سے بھاگ نکلنے کا خیال کرتے ہوئے کھڑکی

اور دروازوں پر نظر دوڑائی۔ دروازے بہت مضبوط تھے اور کھڑکیوں میں باہر کی طرف لوہے کی سلاخیں لگی تھیں،

اب رومی کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ خاموشی سے بیٹھ کر آنے والے وقت کا انتظار کرے اور اپنی تقدیر کا کھیل دیکھے،

برآمدے میں قدموں کا شور اُبھرنے لگا۔ وہ قریب پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں اُسے باہر سے دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔ اورپھر دو لمبے تڑنگے آدمی اس کی طرف دوڑے انہوں نے کالی پتلونیں اور سُرخ قمیض پہن رکھی تھی۔ ایک آدمی بولا۔

"چل بے لونڈے اُٹھ۔ کیا مزے سے کرسی پر بیٹھا ہے۔ چل ہمارے ساتھ"۔

"کہاں چلوں"۔

"مجھے یہاں کیوں لائے ہو۔ کون لوگ ہو تم"؟

آدمی غصّے سے پھٹ پڑا۔

"اے اُٹھ جلدی سے"

ان ساری باتوں کا جواب تجھے گرُو دے گا۔"

یہ کہتے ہوئے اس آدمی نے رومی کا بازو پکڑا اور اُسے کرسی سے اٹھا کر باہر کی طرف دھکیل دیا۔

کمرے سے باہر نکل کر رومی نے دیکھا اونچی اونچی دیواروں میں گھرا ہوا یہ بہت ہی عالیشان بنگلہ تھا۔

بے شمار آدمی اِدھراُدھر آجارہے تھے۔ برآمدے میں سے ہوتے ہوئے وہ اُسے ایک کمرے کے اندر لے گئے۔ وہاں پر ایک آدمی نے رُکنے کا اشارہ کیا پھر دوسرا آدمی ایک اور کمرے میں چلا گیا۔ رومی دل میں سوچنے لگا اگر میرے پاس کھڑا ہوا آدمی بھی کہیں چلا جائے تو میں یہاں سے بھاگ جانے میں کامیاب ہو جاؤں۔ لیکن پھر

اُسے اُونچی اُونچی دیواروں کا خیال آیا جنہیں پھلانگنا اُس کے بس سے باہر تھا۔
رومی یہ باتیں سوچ رہا تھا کہ دوسرا آدمی باہر نکل آیا۔ اور اُس نے اشارے سے رومی کو اندر چلنے کے لئے کہا۔ رومی اندر داخل ہوا۔
یہ ایک بہت ہی عالیشان کمرہ تھا۔ دیواروں پر بڑی بڑی تصویریں لگی تھیں۔ چھتوں سے فانوس لٹک رہے تھے اور فرش پر بہت ہی قیمتی قالین بچھے ہوئے تھے، ایک بہت بڑے تخت پر گاؤ تکیئے کے سہارے ایک موٹا سا آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ اُس کا رنگ بہت ہی کالا تھا۔
رومی کو دیکھتے ہی وہ بولا۔
"اچھا تو یہ ہے سیٹھ رفیق کا لڑکا"
پھر اُس نے ایک بھونڈا سا قہقہہ لگا کر کہا۔
"اب میں سیٹھ رفیق سے ساری باتیں پوچھ لوں گا۔ اور اُس کے سارے اصولوں پر بات کروں گا۔"
"کیوں لڑکے کہاں ہے تیرا باپ سیٹھ رفیق"
رومی نے آہستہ سے کہا۔
"جناب میرے والد صاحب کا نام سیٹھ رفیق تو نہیں ہے۔ میں تو کسی سیٹھ رفیق کو نہیں جانتا"
"کیا بکواس کرتا ہے۔ تو سیٹھ رفیق کا لڑکا نہیں ہے"؟ موٹا گرو چیخا!
"جی نہیں" رومی نے پھر دھیرے سے کہا۔
"تو اس کا مطلب ہے ہمارے آدمیوں سے غلطی بھی ہو سکتی ہے۔
موٹے گرو کی آنکھیں غصّے سے سُرخ ہوگئیں اور اُس کا کالا رنگ اور زیادہ چمکنے لگا۔
سرخ قمیضوں والے آدمیوں پر رومی نے نظر ڈالی۔ اُن کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔

"موٹا گرُد چیخا!"

"جاؤ سیٹھ رفیق کے لڑکے کی تصویر لاؤ۔ اور اگر اس لڑکے کی بات سچ نکلی تو میں تم سب کو مزا چکھاؤں گا؟"

"جاؤ سیٹھ رفیق کے لڑکے کی تصویر لاؤ" سنتے ہی وہ باہر گئے اور ذرا سی دیر میں انہوں نے ایک لفافہ لاکر موٹے گرُد کو دیا۔ موٹے گرُد نے لفافہ کھولا تصویر کو ہاتھ میں لے کر موٹا گرُد کبھی رومی کو دیکھتا اور کبھی تصویر کو۔

کافی دیر بعد وہ بولا۔

"ہاں یہ سیٹھ رفیق کا لڑکا نہیں ہے لیکن یہ غلطی ہمیں بہت مہنگی پڑے گی۔"

"وہ کیسے سرکار" ایک سُرخ قمیض والے نے ڈرتے ڈرتے

پوچھا موٹے گرُد نے جواب دیا۔

"وہ اس طرح کہ یہ لڑکا ہمارے بارے میں سب کو بتا دے گا۔"

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ تھوڑی دیر بعد دوسرے آدمی نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"حضور اگر اجازت ہو تو عرض کروں۔"

گرُد دہاڑا۔ "بکواس کرو۔"

وہی آدمی بولا۔ "میرا خیال ہے اس لڑکے کا کانٹا کھینچ دیا جائے"

رومی سر سے پیر تک کانپ گیا۔ موٹے گرُد کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہاں تمہارا خیال ٹھیک ہے۔ کل رات تین بجے اسے سمندر پر لے جاکر ٹھکانے لگا دو۔" وہی آدمی پھر بولا۔

"گرُد۔ آج ہی کیوں نہ کام کردیں۔"

گرُد کو پھر غصہ آیا "تو آج جو کام کرنے ہیں وہ تمہارا باپ

کرے گا۔"

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ دونوں آدمیوں نے رومی کو باہر کی طرف چلنے کا اشارہ کیا اور پھر اسی کمرے میں لے جاکر بند کر دیا۔ تھوڑی دیر تک وہ کرسی پر اُداس بیٹھا رہا پھر اُس نے نظر اٹھا کر میز کی طرف دیکھا۔ اُس کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ میز پر وہی آدمی ایک شیشی بھول گیا تھا۔ اور اس میں بے ہوشی کی دوا کلوروفام تھی۔ رومی جلدی سے اٹھا اور شیشی میز کے دیوار کے ساتھ لگے پائے کی آڑ میں رکھ دی اور دوسرے پائے کی آڑ میں رومال پھر اس نے میز کو اچھی طرح دیوار کے ساتھ لگانے کے بعد کمرے میں گھوم کر مختلف زاویوں سے دیکھا کہ کہیں دونوں چیزیں نظر تو نہیں آتیں، اس کام سے تسلی پانے کے بعد وہ بڑے مزے سے کرسی پر بیٹھ گیا۔

اُس کا ذہن آنے والے وقت میں پیش آنے والے واقعوں کے بارے میں الجھ رہا تھا۔

اسی طرح سوچتے سوچتے دو گھنٹے گزر گئے۔

دروازے پر کھٹکا ہوا ایک آدمی اندر آیا اُس کے ہاتھ میں ٹرے تھی جس میں دو پلیٹیں رکھی تھیں ایک میں دو روٹیاں اور دوسری میں ذرا سا سالن تھا۔

ٹرے میز پر رکھتے ہوئے وہ بولا "جلدی سے روٹی کھالو میں ابھی آکر یہ برتن لے جاؤں گا۔"

رومی میز کی طرف بڑھا اور وہ آدمی کمرے سے باہر نکل گیا۔

روٹی کھاتے ہوئے رومی کے ذہن میں ایک بات آئی اور خوشی کے مارے اس کا دل دھڑکنے لگا۔

اُس کو اپنی رہائی کی راہ روشن ہوتی دکھائی دی۔ جلدی جلدی کھانا

کھاکر وہ پھر سے کرسی دیوار کے پاس لے گیا اور آرام سے بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا اور وہ آدمی اندر آگیا۔ خاموشی سے اُس نے میز پر رکھی ٹرے اٹھائی اور باہر جاکر دروازے کو پھر سے تالا لگا دیا۔

اب رومی کو رات کا انتظار تھا بلکہ رات کے اُس وقت کا انتظار تھا۔ جب وہ آدمی کھانا لے کر آئے گا۔

رات نو بجے کے قریب رومی کو تھکن محسوس ہوئی۔ آنکھوں میں نیند اُترنے لگی۔ اُس نے سوچا کہ اگر میں سوگیا تو سارا منصوبہ ہی ختم ہو جائے گا اور ہو سکتا ہے کہ کسی وقت وہ لوگ اُسے سوتے میں اٹھا کر لے جائیں۔ اس کے بعد خدا جانے کیا حشر ہو۔

رومی یہی سوچ رہا تھا کہ باہر سے تالا کھلنے کی آواز سنائی دی۔ تھوڑی دیر میں دوپہر والا آدمی ٹرے لئے ہوئے کمرے کے اندر آیا۔ اور اُسے میز پر رکھ کر باہر چلا گیا۔

رومی خوشی سے اچھل پڑا۔ اُس نے جلدی روٹی کے نوالے حلق سے نیچے اتارے۔ اور پھر میز کے پائے کے پیچھے سے شیشی نکالی اور دوسرے پائے کے پیچھے سے رومال نکال کر اُس کی تہہ بنائیں اور اندر کی تہہ میں شیشی کو اُنڈیل دیا اور شیشی وہیں چھپا دی اور بڑے سکون سے کرسی پر بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا اور وہ آدمی کمرے میں آگیا۔ رومی خاموش بیٹھا اُسے دیکھتا رہا۔ جیسے ہی وہ جھک کر برتن اٹھانے لگا۔ رومی نے چیتے کی سی پھرتی کے ساتھ آگے بڑھ کر رومال اُس کی ناک پر رکھ دیا۔

آدمی نے ہاتھ گھما کر رومی کو مُکّا مارنا چاہا لیکن دوا اپنا کام کرچکی تھی۔

آدمی بے ہوش ہو کر فرش پر گر پڑا۔

رومی نے جلدی سے اس آدمی کی جیبوں کی تلاشی لی۔ اُسے چابیوں کے گچھے کی تلاش تھی۔ جس سے وہ بنگلہ کا بڑا دروازہ کھول کر باہر نکلتا تمام جیبیں ڈھونڈنے کے بعد بھی اُسے ناکامی رہی۔ اب اُس کی آنکھوں کے سامنے پھر اندھیرا چھاگیا اور اُسے موٹے گرُو کے الفاظ یاد آنے لگے۔

پھر اچانک اسے یاد آیا کہ موٹے گرُو کے گاؤ تکیئے کے پاس بھی تو چابیوں کا ایک گچھا پڑا تھا۔ رومی بڑی آہستگی کے ساتھ کمرے سے باہر نکلا اور برآمدے کے ستونوں کے پیچھے پیچھے بڑی ہوشیاری سے چھپتا چھپاتا موٹے گرُو کے کمرے میں پہنچ گیا۔

موٹا گرُو تخت پر بے خبر سو رہا تھا اُس کے خراٹوں کی آواز پورے کمرے میں گونج رہی تھی۔ چابیوں کا گچھا اسی جگہ پڑا تھا۔ رومی نے آگے بڑھ کر چابیاں اٹھالیں۔ واپس ہوتے ہوئے اُسے کچھ خیال آیا اُس نے جیب سے وہی رومال نکال کر کچھ دیر کے لئے موٹے گرُو کی ناک کے سامنے لہرایا۔ موٹے گرُو کے خرّاٹوں کی آواز مدہم پڑنے لگی۔

کمرے سے باہر نکلنے کے بعد رومی بہت آسانی سے درختوں کی آڑ لے کر چلتا ہوا کمرے سے بڑے دروازے تک پہنچ گیا۔ تین چار چابیاں آزمانے کے بعد وہ قید سے باہر تھا۔

باہر نکل کر اُس نے دیکھا یہ شہر کا فیشن ایبل علاقہ تھا۔ اُس نے ایک رکشہ روکا۔ اُسے اپنے محلّے کا بتایا۔ رکشہ تیزی سے اُس کے گھر کی طرف دوڑنے لگا۔ لیکن اس سے زیادہ تیزی سے رومی کا دماغ دوڑ رہا تھا۔ جس میں نہ جانے کیا کیا باتیں آرہی تھیں۔

مقابلۂ کہانی نویسی

۱۰۰۰۰ روپیہ بطور انعام

● آپ بہت اچھے ادیب ہیں ۔۔۔ آپ کی تحریریں لاکھ اثرانگیز ہیں مگر کیا آپ بچوں کے لئے بھی بہترین کہانیاں تخلیق کر سکتے ہیں ۔۔۔؟

● ۔۔۔ اگر آپ کا جواب "ہاں" میں ہے تو پھر قلم اٹھایئے،

● ممکن ہے خوش بختی آپ کی منتظر ہو،

● ہم بہترین کہانیوں پر دس ہزار روپے بطور انعام پیش کر رہے ہیں۔

انعامات

پہلا انعام ۔۔۔ چار ہزار روپے

دوسرا انعام ۔۔۔ دو ہزار پانچ سو روپے

تیسرا انعام ۔۔۔ ایک ہزار روپے

پانچ انعامات ۔۔۔ پانچ سو روپے فی انعام

پچاس انعامات ۔۔۔ بہترین کتب

مقابلے میں شرکت کیلئے مندرجہ ذیل باتیں پیش نظر رہیں

● ۔۔۔ کم از کم تین کہانیاں بھجوانا ضروری ہے جو ایک سیٹ تصوّر ہوگا۔ بہترین سیٹ ہی انعام کا حق دار ہوگا۔

● ۔۔۔ کہانی کی طوالت، ماہنامہ "آنکھ مچولی" کے کم از کم ۴ صفحات، تحریر صاف اور خوشخط، کاغذ کے ایک جانب ایک سطر چھوڑ کر لکھیں۔

● ۔۔۔ موضوعات کی کوئی قید نہیں مگر نیاپن شرط ہے۔ انداز سادہ، عام فہم، اور دلنشیں ہونا چاہیئے، تحریر میں تجسّس اور اصلاح کا پہلو ضروری ہے۔

● ۔۔۔ ہر کہانی عقل سے قریب تر ہو، دیومالائی انداز کے قصّے کہانیاں، ناقابلِ قبول ہوں گی،

● ۔۔۔ تحقیق کے بعد اگر کوئی کہانی نقل شدہ پائی گئی تو اُسے مقابلے سے خارج کر دیا جائے گا۔

● ۔۔۔ کہانی کی نقول اپنے پاس محفوظ رکھیں، کیونکہ کوئی کہانی قابل واپسی نہ ہوگی، کہانی کے ساتھ نام اور مکمل پتے کے علاوہ شناختی کارڈ کی فوٹو اسٹیٹ کاپی آنا ضروری ہے۔

● ۔۔۔ انعام یافتہ کہانیوں کے علاوہ دیگر معیاری کہانیوں کو آنکھ مچولی کی کسی آئندہ اشاعت میں لکھنے والے کے نام کے ساتھ شائع کیا جائیگا۔

● ۔۔۔ ادارے کی طرف سے تشکیل کردہ کہانیوں کی جانچ اور انعامات کا فیصلہ کرنے والی کمیٹی کا فیصلہ حتمی ہوگا۔

کہانیاں ۱۵ اکتوبر ۸۶ تک لازماً ارسال کر دیں

کہانیوں کے معیار اور مزاج کو سمجھنے کے لئے مارکیٹ میں موجود ماہنامہ آنکھ مچولی دیکھا جا سکتا ہے

ماہنامہ آنکھ مچولی، گرین گائیڈ اکیڈمی ۱۱۲- ڈی سائٹ کراچی ع ۱۶

جہاں قالین وہاں صفائی

سنو وھائٹ

ڈرائی کلیننگ انڈسٹری، کراچی

ہیڈ آفس :

عبداللہ ہارون روڈ فون : ۵۱۱۷۱۱

شاخیں :

○ بہادر آباد فون : ۴۱۳۶۹۵ ○ ڈیفنس فیز V فون : ۵۲۶۵۳۹

○ جمشید روڈ 〃 ۴۱۱۳۰۲ ○ امیر خسرو روڈ 〃 ۴۱۳۶۹۵

○ کھارادر 〃 ۲۲۵۸۰۳ ○ راشد منہاس روڈ 〃 ۴۱۱۳۰۲

○ گارڈن روڈ 〃 ۷۲۲۴۳۳ ○ حسن اسکوائر 〃 ۵۲۶۵۳۹

○ برنس روڈ ۲۰۲۳۳۳

سنو وھائٹ

ڈرائی کلیننگ انڈسٹری

ہیڈ آفس : عبداللہ ہارون روڈ . کراچی فون ۵۱۱۷۱۱ ۵۲۶۵۳۹

زونل آفس : صدر بازار . راولپنڈی فون ۶۷۹۸۸ ۶۳۲۵۰

کمپیوٹر کہانی

حمیرالطیف

کمپیوٹر انگریزی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی ہیں حساب کتاب کرنے والا، گنتی کرنے والا، شمار کرنے والا، — لیکن حساب تو آپ اپنی انگلیوں سے بھی کر سکتے ہیں، پھر وہ لال پیلی گولیوں والا فریم بھی آپ کو یاد ہوگا جو گنتی سکھانے کے لئے آپ کو ابّو نے لاکر دیا تھا، یہ سب طریقے معمولی حساب کرنے کے لئے تو صحیح ہیں، لیکن اگر بڑا حساب کرنا ہو مثلاً بحیرۂ عرب کی اوسط گہرائی معلوم کرنی ہو یا دنیا کے تمام سمندروں میں موجود پانی کا وزن معلوم کرنا ہو تو کیا کیا جائے؟

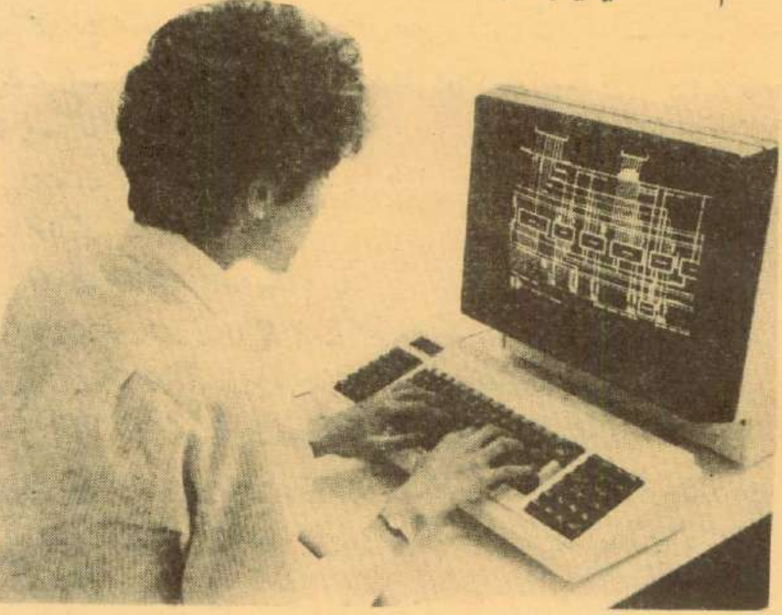

اب آپ پوچھ سکتے ہیں کہ آخر سمندروں میں موجود پانی کا وزن معلوم کرکے کیا حاصل ؟ — اس کا جواب یہ ہے کہ علم ہمیشہ ترقی کی راہ دکھاتا ہے ہم سمندروں کے پانی کا وزن معلوم کرکے دنیا بھر میں ہونے والی کل بارشوں سے اس کا تناسب نکال سکتے ہیں، اس سے موسم کے بارے میں معلومات حاصل ہوسکتی ہیں، اس طرح سمندر کی اوسط گہرائی معلوم کرکے مستقبل میں سمندر کے اندر بستیاں آباد کرنے کا منصوبہ بنایا جا سکتا ہے، اور یہ سب کچھ اسی وقت ہو سکتا ہے جب ہمارے پاس بالکل درست حساب کتاب کرنے کا ایسا ذریعہ موجود ہو جو مختصر وقت میں بڑے بڑے حساب یعنی جمع تفریق وغیرہ کا صحیح نتیجہ دے دے، اور یہ ذریعہ ہے کمپیوٹر،

کمپیوٹر صرف جمع تفریق کرنے والی مشین ہی نہیں ہے بلکہ اُسے کوئی بھی معلومات فراہم کردی جائیں تو یہ اسے ترتیب دے کر نتائج بتا سکتا ہے، اس لئے کمپیوٹر کو معلومات فراہم کرنے والی مشین بھی کہا جاتا ہے — اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کمپیوٹر ہماری فراہم کردہ معلومات سے نتائج خودبخود کیسے حاصل کرلیتا ہے، دراصل کمپیوٹر منطقی طریقے پر کام کرتا ہے۔ منطق سوچنے کا ایک طریقہ ہے، جس کے اصول قدیم یونانیوں نے مرتب کئے تھے، منطقی طریقے پر ایک ترتیب کے ساتھ سوچ کو آگے بڑھایا جاتا ہے اور نتیجہ حاصل کیا جاتا ہے، مثلاً ایک منطقی تجویز یہ ہے

پرندے اُڑتے ہیں

طوطا بھی اڑتا ہے

اس لئے طوطا ایک پرندہ ہے،

ان تین جملوں میں پہلے دو جملے ہم نے معلومات کے طور پر کمپیوٹر کو فراہم کئے اور آخری جملہ کمپیوٹر نے نتیجتاً اخذ کیا، دراصل کمپیوٹر کو معلومات فراہم کرنے کی ایک بہت سادہ مثال ہے، لیکن مشکل یہ ہے کہ آپ کمپیوٹر کو دی ہوئی معلومات ہی پر بھروسہ کرکے مختلف نتائج نکال لیتا ہے اور اپنی طرف سے سوچ بچار نہیں کرتا، کمپیوٹر کو دی جانے والی معلومات کو "پروگرام" کہتے ہیں اور اس طریقے کو پروگرامنگ — آیئے پروگرامنگ کے عمل کو سمجھنے کے لئے ہم نے کمپیوٹر والی مثال کو دوبارہ دیکھتے ہیں۔

سب سے پہلے ہم نے کمپیوٹر کو اطلاع پہنچائی کہ پرندے اُڑتے ہیں، اس سے کمپیوٹر نے دو نتیجے نکالے کہ جو پرندے ہیں وہ اُڑتے ہیں اور جو اُڑتے ہیں وہ پرندے ہیں، اب اِس فراہم کردہ اطلاع کے نتیجوں کو سامنے رکھتے ہوئے کمپیوٹر غلطیاں بھی کر سکتا ہے۔ مثلاً اب اگر ہم کمپیوٹر کو یہ بتائیں کہ پتنگ اڑتی ہے تو کمپیوٹر فوراً یہ نتیجہ نکالے گا کہ پتنگ ایک پرندہ ہے، حالانکہ یہ بات غلط ہے، اسی طرح اگر ہم یہ کہیں کہ شتر مرغ ایک پرندہ ہے تو کمپیوٹر یہ جواب دے گا کہ شتر مرغ اڑتا ہے، جو کہ غلط ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ کمپیوٹر سے صحیح جواب حاصل کرنے کے لئے صحیح معلومات فراہم کرنا ضروری ہے، یعنی اوپر والے جملوں کا صحیح جواب حاصل کرنے کے لئے ہمیں کمپیوٹر کو کچھ اور باتیں بتانا پڑیں گی مثلاً یہ کہ ہر اڑنے والی چیز پرندہ نہیں ہوتی اسی طرح ہر پرندہ نہیں اڑتا۔ اور پھر دونوں باتوں کے بارے میں مزید تفصیلات فراہم کرنی پڑیں گی۔

اب آیئے یہ دیکھیں کہ کمپیوٹر کا آغاز کس طرح ہوا۔ زمانۂ قدیم میں یونانیوں اور چینیوں نے حساب کتاب کرنے کے مختلف طریقے بنا رکھے تھے، جدید دور میں اس سلسلے میں ایک امریکی چارلس بباج کا نام آتا ہے، جس نے ایک مشین بنائی جس کا نام "تفریق کا انجن" رکھا یہ انجن جمع اور تفریق کے پیچیدہ سوال حل کر سکتا تھا، ۱۸۹۰ء میں بباج کی اس ایجاد کو امریکہ کے محکمہ مردم شماری نے اعداد و شمار جمع کرنے کے لئے استعمال کرنے کی کوشش کی، لیکن محکمہ کے کلرکوں نے اس مشین کو خراب کر دیا، انہیں خطرہ تھا کہ اس کا استعمال عام ہونے پر ان کی نوکری خطرے میں پڑ جائے گی۔

الیکٹرونک کمپیوٹر کا آغاز آج سے تقریباً پچاس سال پہلے جرمنی، برطانیہ اور امریکہ میں ہوا۔ جنگ عظیم دوم کے دوران کمپیوٹر کے استعمال نے زور پکڑا، یہ جنگ کے دوران دشمن کے خفیہ اشاروں کو پڑھنے کے کام بھی آتا تھا۔ اور لڑاکا طیاروں کے ڈیزائن بنانے میں بھی اس نے مدد کی۔

پہلا جدید کمپیوٹر ۱۹۴۴ء میں امریکہ کی ہارورڈ یونیورسٹی میں تیار کیا گیا، اسے "مارک اوّل" کے نام سے پہچانا جاتا ہے، مارک اوّل ایک بہت بڑا کمپیوٹر تھا۔ ایک پورے کمرے کے برابر — یہ پانچ سیکنڈ میں ۲۸ اعداد تک جمع کر سکتا تھا۔ اس کے پُرزے حرکت کرتے

ہوئے بہت شور کرتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا جیسے بہت سی خواتین ایک کمرے میں بیٹھی چھالیہ کتر رہی ہیں۔

مارک اوّل کے مقابلے میں، اینیاک، (الیکٹرونک نیومریکل انٹگریٹر اینڈ کیلکولیٹر) سامنے آیا۔ اس میں برقی مقناطیسی سوئچ کی جگہ والو استعمال کئے گئے تھے۔ اب بھی بجلی سے چلنے والے پرانے ریڈیو اور پرانے بلیک اینڈ وہائٹ ٹیلیویژن سیٹ میں اس طرح کے والو دیکھے جا سکتے ہیں۔

ٹرانزسسٹر کی ایجاد کے بعد کمپیوٹر ہی کیا، الیکٹرانک کی دنیا میں انقلاب آگیا۔ ٹرانزسسٹر دو انگریزی الفاظ ٹرانسفر اور ریزسٹنس کا مخفف ہے، ٹرانسفر کے معنی ہیں منتقل کرنا اور ریزسٹنس کے معنی ہیں۔ روکنا یا مدافعت کرنا، اس طرح ٹرانزسسٹر کے معنی ہیں مدافعت منتقل کرنا،

ٹرانزسسٹر کی ایجاد ۱۹۴۷ء میں امریکہ کی ایک تجارتی کمپنی کے سائنسدانوں نے کی، پہلے یہ ریڈیو میں والو کی جگہ استعمال ہوا، پھر کمپیوٹر میں اس نے اپنے جوہر دکھائے، جن کے باعث کمپیوٹر چھوٹا، کم قیمت، اور زیادہ قابل اعتبار ہوگیا، ٹرانسسٹروں کو ایک خاص ترتیب میں جوڑنے کے لئے تار استعمال کئے جاتے تھے، جس کی وجہ سے اکثر اوقات کافی پیچیدہ صورتحال سامنے آتی، اور کسی ٹوٹے ہوئے کنکشن کو ڈھونڈ کر جوڑنا تو ایک مسئلہ بن جاتا، اس مسئلے کے حل کے لئے پرنٹڈ سرکٹ سامنے آئے، یہ سرکٹ دراصل کسی غیر موصل پلیٹ پر چھپے ہوئے ہوتے ہیں، ان کی چھپائی کے لئے روشنائی کے بجائے کوئی دھات استعمال کی جاتی ہے، پلیٹ میں مطلوبہ جگہ پر ٹرانزسسٹر لگا کر کنکشنز کو مکمل کر لیا جاتا ہے، ان پرنٹڈ سرکٹ کی وجہ سے کمپیوٹر کی لاگت میں اور کمی آگئی اور کمپیوٹر زیادہ کارآمد ہوگیا۔

اس کے بعد کمپیوٹر سرکٹس کی دنیا میں ایک اور انقلاب آیا اور پرنٹڈ سرکٹ کی جگہ انٹگریٹڈ سرکٹس نے لے لی، اور انٹگریٹڈ کے معنی ہیں۔

کئی حصوں کا مجموعہ، یہ سرکٹ دراصل الیکٹرونک کے مختلف پرزہ جات کا مجموعہ ہوتا ہے، یوں سمجھ لیجئے کہ مختلف پرنٹڈ سرکٹس کو چھوٹا اور یکجا کر کے انٹگریٹڈ سرکٹس بنائے جاتے ہیں، یہ سرکٹ دراصل 'سلی کون' کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے پر چھپے ہوئے ہوتے ہیں، ان کا سائز عام طور پر ہماری چھوٹی انگلی کے چھوٹے سے ٹکڑے یا اس سے بھی

چھوٹا ہوتا ہے، ان ٹکڑوں پر سرکٹ کو کسی اخبار کی طرح نہیں چھاپا جاتا، بلکہ دراصل سرکٹ کی تصویر کو بالکل اسی طرح سلی کون کے ٹکڑے پر ابھار دیا جاتا ہے جیسے فوٹو گرافر نیگیٹو کے ذریعے ہماری تصویر کو ایک کاغذ پر ابھار دیتا ہے، اس تصویر کو ابھارنے (ڈیویلپ کرنے) میں مختلف قسم کی ٹیکنالوجی استعمال کی جاتی ہے،

سلی کون دراصل ایک عام عنصر ہے جو مٹی میں شامل ہے۔ اس عنصر کو کیمیائی عمل کے ذریعے اس قابل بنایا جاتا ہے کہ اس میں سے برقی رو نہ گزر سکے، پھر اس سلی کون کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے تیار کئے جاتے ہیں، جنہیں (CHIP) کہا جاتا ہے، ان ننھے منّے ٹکڑوں پر انتہائی پیچیدہ سرکٹ چھاپ دیا جاتا ہے، سلی کون کے ان ننھے منّے ٹکڑوں کو مائیکرو چپ کہتے ہیں،

مائیکرو چپ کا استعمال ۱۹۷۱ء میں شروع ہوا، کمپیوٹر کی تاریخ میں یہ ایک اہم اور انتہائی کارآمد اضافہ تھا، ایک چھوٹا سا مائیکرو چپ بہت سے مختلف کام انجام دیتا ہے۔ یہ عام استعمال میں آنے والا کیلکولیٹر بھی چلاتا ہے، عددی گھڑی کی بنیاد یہی مائیکرو چپ ہے خلائی سیاروں سے رابطہ قائم رکھنے میں بھی یہی ننھا منّا مائیکرو چپ مدد دیتا ہے۔

مائیکرو چپ بہت ہی پیچیدہ پرزہ ہے، اس میں ہزاروں بلکہ لاکھوں الیکٹرانک اجزاء یکجا کر دیئے جاتے ہیں، مائیکرو چپ کا ڈیزائن کمپیوٹر سے بنایا جاتا ہے۔ پہلے ہزار گنا بڑا خاکہ بنا کر تمام الیکٹرونک اجزاء کی جگہ ان کے کنکشن اور ان کے کام مقرر کر دیئے جاتے ہیں، اب اس خاکہ کو مائیکرو چپ کے سائز کے برابر مختصر کر دیا جاتا ہے، اس خاکہ کو ہم اتنا بھی مختصر کر سکتے ہیں کہ اسے عام پن کی نوک پر چھاپا جا سکے، اب آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ انتہائی پیچیدہ کام کرنے والے انٹگریٹیڈ سرکٹ کو کتنا مختصر کیا جا سکتا ہے۔

اسی سرکٹ کے مختصر ہونے کی وجہ سے نہ صرف کمپیوٹر چھوٹے چھوٹے ہوتے جا رہے ہیں بلکہ تمام الیکٹرونک سازو سامان کو مختصر کیا جا رہا ہے، اس پر لاگت بھی کم آتی ہے، اسی لئے الیکٹرانک آلات کے دام بھی کم ہوتے جا رہے ہیں۔

دیکھا آپ نے ــ گزشتہ تیس چالیس سال میں ریڈیو کے پُرانے طرز کے والو سے ٹرانزسسٹر اور پھر پرنٹنڈ سرکٹ سے مائیکرو چپ تک کس طرح چھوٹی چھوٹی مگر اہم

ایجادات نے ہماری دنیا میں انقلاب برپا کیا ہے۔

امریکہ میں بہت سے ادارے کمپیوٹر بناتے ہیں، ٹرانزسسٹر کے موجد کا تعلق امریکی شہر سان فرانسسکو کے جنوب مغربی علاقہ سے تھا، وہ اپنی کمپنی قائم کرنے کے لئے اس علاقہ میں واپس آیا، اس کے بعد ٹرانزسسٹر کے ضرورت مند دیگر اداروں نے بھی اس علاقہ کا رُخ کیا، لیکن آئی، بی، ایم اور اسپیری رینڈ جیسے پرانے اداروں نے امریکہ کے مشرقی علاقے میں کام جاری رکھا، یہ ادارے کمپیوٹر کی ایجاد سے پہلے قائم ہوئے تھے کمپیوٹر کی ایجاد کے بعد قائم ہونے والے زیادہ تر اداروں نے اپنا ہیڈ کوارٹر امریکی ریاست کیلی فورنیا کے جنوب مغربی خطے میں قائم کیا ہوا ہے اس لئے یہ علاقہ وادیٔ سلی کون کہلاتا ہے۔۔ یعنی کمپیوٹر کی دنیا کا مرکز

علم کے طالب دوستوں کے لئے حسین تحفہ

"راہ نما"

قرانی حکایات
پر مبنی
سچی
اور
دلچسپ
کہانیاں

صفحات
دیدہ زیب سرورق
خوبصورت طباعت
آفسٹ پیپر
قیمت صرف
۱۰ روپے

راہ نما کے حصول کے لئے ۱۰ روپے
کا منی آرڈر بھجوائیں

سائٹ
گرین گائیڈ اکیڈمی ۱۲ اڈی کراچی ۱۲۶

فنِ تقریر

اہمیّت و افادیت

محمد تسلیم مغل

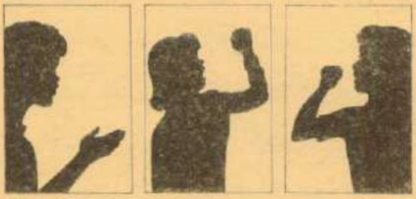

آپ نے اکثر جلسوں جلوسوں میں، ریڈیو، ٹی وی پر مذہبی اجتماعات میں یا اپنے تعلیمی اداروں میں منعقد ہونے والے پروگراموں میں بہت سے لوگوں کو مختلف موضوعات پر اظہار خیال کرتے ہوئے سنا ہوگا۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں "خطیب" یا "مقرّر" کہا جاتا ہے۔ آپ نے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ بعض اچھے مقرّرین جب اپنی تقریر شروع کرتے ہیں تو لاکھوں کا مجمع یوں خاموش ہو جاتا ہے۔ جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا ہو۔ کتنی عجیب بات ہے کہ ایک شخص محض اپنی قوت گویائی سے ہزاروں لاکھوں لوگوں کو نہ صرف خاموش کرا دیتا ہے بلکہ جب چاہتا ہے ہنسا دیتا ہے اور جب جی چاہے رُلا دیتا ہے۔ انسانوں کے جمِ غفیر کو یوں اپنے لفظوں اسیر بنا لینا، اُن کے جذبات سے کھیلنا، ان کے خیالات میں ہل چل پیدا کر دینا اور اپنی مرضی کے مطابق مطلوبہ نتائج حاصل کر لینا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ ہر شخص اگر یہ چاہے کہ وہ اسٹیج پر کھڑا ہو کر، کیمرے کے سامنے آکر یا کسی بڑے اجتماع کے سامنے جا کر روانی سے بولنے لگے تو ایسا کرنا ناممکن تو نہیں البتہ مشکل ضرور ہے۔ آپ نے اکثر ایسے باتونی لوگ کبھی دیکھے ہوں گے جو اکثر دوستوں کی محفل میں بڑے اعتماد کے ساتھ بولتے ہیں، مسلسل بولتے ہیں اور ہر موضوع پر اظہار خیال کرتے ہیں لیکن اگر انہیں کسی مجمع سے خطاب کرنے کی دعوت دی جائے تو آپ دیکھیں گے کہ اُن کی زبان

کس طرح لڑکھڑانے لگتی ہے، سارا اعتماد جاتا رہتا ہے، ٹانگیں کپکپانے لگتی ہیں، اور حافظہ ساتھ نہیں دیتا۔ ایسے لوگ زندگی کے بعض اہم شعبوں میں اپنی تمام تر قابلیت کے باوجود کبھی آگے نہیں بڑھ سکتے۔ اس کے برعکس اچھے مقرّرین اپنے اس وصف کی بدولت لوگوں کے دلوں میں گھر کر لیتے ہیں، اُن میں اپنی قدر و منزلت بڑھاتے ہیں، عزت و شہرت حاصل کرتے ہیں، بلکہ سچی بات یہ ہے کہ ایسے لوگ اپنی خطیبانہ صلاحیتوں کی وجہ سے بڑے منصب اور اہم رُتبے کے قابل سمجھے جاتے ہیں اور بہت جلد اپنے لیئے کوئی بڑا مقام پیدا کر لیتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ روزمرّہ کی زندگی میں بھی جو فوائد ایک اچھا مقرّر حاصل کر سکتا ہے وہ بہت کم دوسرے لوگ حاصل کر سکتے ہیں۔ ملازمت امتحان یا داخلے کے لئے انٹرویو دیتے وقت، نئے افراد یا بڑی شخصیات سے ملاقات کے وقت، کلاس روم میں لیکچر دیتے ہوئے، اجنبی اور نئے ماحول میں اپنا ما فی الضمیر بیان کرتے وقت اور ایسی ہی بعض دوسری صورتوں میں جہاں عام لوگوں کی زبان ان کے خیالات کا ساتھ نہیں دیتی وہاں ایک اچّھا مقرّر ایسے تمام حالات کا سامنا بہت اعتماد کے ساتھ کرتا ہے اور اپنی بات کو بطریقِ احسن اس طرح دوسروں تک پہنچاتا ہے کہ اس میں کسی ابہام، غلط فہمی یا تشنگی کی گنجائش باقی نہ رہے۔

اچھے مقرّرین کو اسٹیج کے علاوہ عام زندگی میں بھی گفتگو کرتے ہوئے دیکھ لیجئے۔ آپ ان کی گفتگو اور ان کی ذات میں بعض ایسی خوبیاں ضرور دیکھیں گے جو عام طور پر دوسرے لوگوں میں نظر نہیں آتیں۔ مثلاً ـــ ان کی گفتگو میں ربط اور تسلسل ہوگا ـــ ابہام اور غلط فہمی کی گنجائش نہ ہوگی یا نسبتاً کم ہوگی ـــ ذخیرۂ الفاظ زیادہ ہوگا ـــ اچھے اشعار، خوبصورت اقوال یا اہم اقتباس نہ صرف یاد ہوں گے بلکہ بر موقع ان کا استعمال ان کی گفتگو کو خوبصورت اور مؤثر بنا دے گا ـــ ایک بات کو کئی انداز سے کہہ سکیں گے ـــ ڈپلومیسی کے نقطۂ نظر سے اپنی بات کی تشریح اپنی مرضی کے مطابق کسی بھی طرح کر سکیں گے ـــ گفتگو منطق اور مضبوط استدلال پر مبنی ہوگی ـــ اپنے مخاطب یا سامع کی ذہنی سطح کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اُسی سطح پر بات کر سکیں گے ـــ مشکل باتوں کو دلچسپ اور چھوٹی چھوٹی مثالوں سے واضح اور عام فہم بنا سکیں گے ـــ اپنی جادو بیانی سے محفل میں سب پر چھا جائیں گے۔ اور اپنی شخصیت کا رعب دوسرے لوگوں پر بٹھا سکیں گے ـــ اچھا مقرّر جتنا بھی ذہین ہے وہ اپنی اچھی گفتگو

کی وجہ سے اپنی اصل ذہانت سے زیادہ نظر آتا ہے۔ تقریر کے حوالے سے شعوری یالاشعوری طور پر سیکھے گئے بنیادی اصول گفتگو کو اتنا مؤثر بنا دیتے ہیں کہ محض اچھی گفتگو کی بدولت ذات کے دیگر بُرے اور کمزور پہلو چھُپ جاتے ہیں اور اچھی شخصیت اُبھر کر سامنے آجاتی ہے۔ یہ بات نہیں ہے کہ مندرجہ بالا خوبیاں صرف اچھے مقررین ہی میں پائی جاتی ہیں۔ اور عام لوگوں میں ایسی مقناطیسی شخصیات اور پُرکشش لوگ نظر نہیں آتے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس موازنے میں تناسب کے اعتبار سے مقررین کی بڑی تعداد کو آپ عام لوگوں سے بہتر پائیں گے۔

ہمارے معاشرے ہی میں نہیں بلکہ دنیا بھر میں دیکھا گیا ہے کہ بعض اچھے مقررین اکثر اداروں اور تنظیموں کی مجبوری بن جاتے ہیں اور محض اس ایک صلاحیت کی بنیاد پر اس قدر فوائد حاصل کر لیتے ہیں جس کے شاید وہ اہل بھی نہ ہوں۔ سیاست کے میدان میں تو اچھا مقرر ایسی مجبوری بن جاتا ہے جسے کسی بھی قیمت پر کھویا نہیں جاسکتا۔ بعض سیاسی شخصیات اگر کسی خوشگوار اتفاق یا خوش قسمتی سے اگر کسی اہم مرتبے تک پہنچ بھی جائیں تب بھی وہ عوام کے محبوب راہنما نہیں بن سکتے۔ اسی طرح بسا اوقات بڑے بڑے قابل لوگ بھی محض بُرے مقرر ہونے کی وجہ سے وہ مقام و مرتبہ حاصل نہیں کر سکتے جو انہیں واقعی کرلینا چاہیئے۔

کسی تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے کسی نظریئے یا خیال کو فروغ دینے کے لئے اور کسی فکر کو دوسرے کے ذہن میں منتقل کرنے کے لئے جو کام اچھا مقرر کر سکتا ہے۔ وہ عام آدمی کے بس کی بات کہاں۔ یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ مجمع کے سامنے کھڑے ہو کر ڈھٹائی سے کوئی بات کہہ دینے یا کہتے رہنے کا نام "خطابت" نہیں ہے بلکہ "خطابت" تو فن کی وہ معراج ہے جہاں "خطیب" لفظوں کے جوہر اور علم کے موتی لٹاتا ہوا اپنے سننے والوں کو اس طرح اپنے ساتھ لے کر چلتا ہے کہ وہ اس کے گردیدہ ہوتے چلے جاتے ہیں اور مقرر کے ہر نئے جملے پر یہ محسوس کرتے ہیں کہ یہ مقرر میرا ہی ہم خیال ہے اور صرف میرے جذبات کی ترجمانی کر رہا ہے ..... زبان و بیان پر اتنی قدرت اور تقریر پر اتنا ملکہ یوں ہی نہیں آجاتا بلکہ دیگر فنون کی طرح اس کے لئے بھی برسوں کا ریاض ضروری ہے

جس طرح کسی مجمع کے سامنے آکر تقریر کرنا بہت آسان نہیں ہے اسی طرح ٹیلی ویژن

اور فلم کے کیمرے یا ریڈیو کے مائیکروفون کے سامنے آکر بولنا بھی آسان نہیں ہے اسے ہم مائیکروفون یا کیمرے کا خوف کہہ سکتے ہیں، دراصل تقریر کرنا ایک اہم ذمہ داری ہے خواہ یہ درجن بھر افراد کے سامنے کی جائے یا کیمرے کے سامنے۔ ذمہ داری کا احساس اپنی عزّت کا خیال اور بندھے ہوئے لمحامیں اپنی بات کہنا ایک بہت بڑا بوجھ ہے جسے ایک طویل مشق کے بغیر آسانی سے نہیں اتارا جا سکتا۔ مشہور اداکار چارلی چپلن برطانیہ کے مانے ہوئے تھیٹروں میں کام کر چکا تھا۔ اور لوگوں کے سامنے بولنے کا عادی تھا لیکن جب وہ پہلی بار ریڈیو پر تقریر کرنے آیا تو اُس نے پوری تقریر لکھ رکھی تھی، اس کے باوجود اُس کی حالت، اُس وقت ہوبہو ایک ایسے شخص کی سی تھی جو فروری کے طوفانی موسم میں بحراوقیانوس عبور کر رہا ہو۔ امریکہ کے سابق صدر ابراہام لنکن کا شمار گو دنیا کے چند اچھے مقرّرین میں ہوتا ہے مگر ابتداء میں لنکن کی تقریروں میں بھی گھبراہٹ صاف نظر آجاتی تھی۔ لنکن کے ایک وکیل ساتھی ہرڈن نے لکھا ہے کہ "ماحول سے آشنا ہونے کے لئے لنکن کو بڑی محنت کرنا پڑتی تھی، وہ بظاہر کم ہمتی کے خلاف جدوجہد کرتا نظر آتا تھا۔ مگر اس طرح اس کا حال اور غیر ہو جاتا تھا۔ ان لمحات میں مجھے مسٹر لنکن پر بڑا ترس آتا تھا اور اُس سے ہمدردی ہونے لگتی تھی۔

تقریر کے آغاز میں اس کی آواز باریک، کھوکھلی اور ناخوشگوار ہوتی تھی"

انگلستان کے وزیراعظم چرچل جو اپنی شعلہ بیانی اور بلا کی حاضر جوابی کی وجہ سے مشہور تھے۔ ابتداء میں نہ صرف یہ کہ اچھے مقرر نہیں تھے۔ بلکہ ان کی گھبراہٹ اور خوف کے حوالے سے اُن کے کئی لطیفے بھی مشہور ہیں۔

ان چند مثالوں سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ فنِ تقریر کوئی ناممکن کام نہیں ہے بلکہ سچ بات یہ ہے کہ آپ بھی اچھے مقرر بن سکتے ہیں۔ بس شرط یہ ہے کہ آپ اس فن میں مہارت حاصل کرنے کے لئے کچھ بنیادی اصولوں کو ذہن میں رکھیں اور ساتھ ساتھ اپنی مشق جاری رکھیں۔ فنِ تقریر کے ان بنیادی اصولوں کو ہم اپنے تیسرے مضمون میں بیان کریں گے۔ جبکہ دوسرے مضمون میں ہم فنِ تقریر کا علمی اور تاریخی جائزہ پیش کریں گے۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ تقریر کے بنیادی اصولوں کو جاننے سے پہلے اُسے علمی و تاریخی حوالوں سے سمجھنا اور اُسکی اہمیت و افادیت جاننا انتہائی ضروری ہے۔

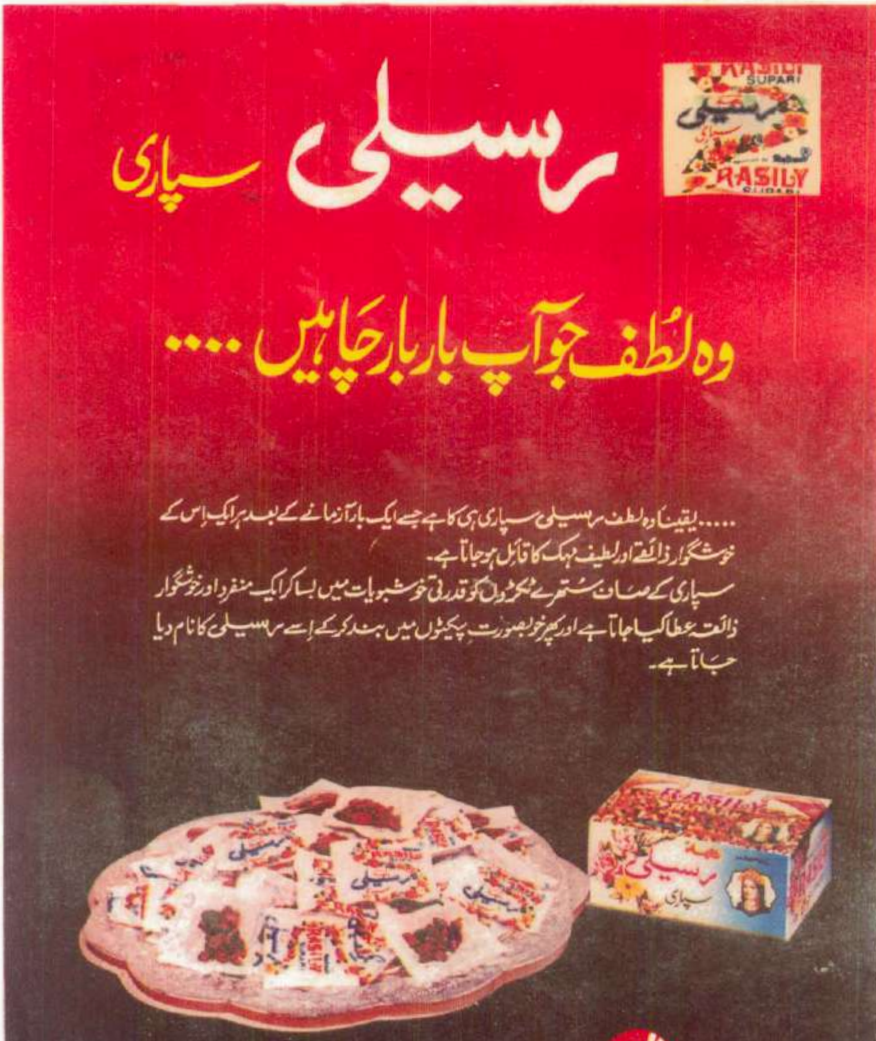
رسیلی سپاری
RASILY SUPARI
وہ لُطف جو آپ بار بار چاہیں....
.....یقیناً وہ لطف رسیلی سپاری ہی کا ہے جسے ایک بار آزمانے کے بعد ہر ایک اِس کے خوشگوار ذائقے اور لطیف مہک کا قائل ہو جاتا ہے۔
سپاری کے صاف ستھرے ٹکڑوں کو قدرتی خوشبویات میں بسا کر ایک منفرد اور خوشگوار ذائقہ عطا کیا جاتا ہے اور پھر خوبصورت پیکٹوں میں بند کر کے اِسے رسیلی کا نام دیا جاتا ہے۔
شالیمار فوڈ پروڈکٹس

گڈو بیٹا
تھوڑی دیر کے لئے پڑھائی چھوڑ کر ٹی وی دیکھ لو
بہت دلچسپ پروگرام ہے

ارے ..... ارے
جلدی کرو ..... مجھے نیچے اتارو
ابو پہلے آپ وعدہ کریں
"آنکھ مچولی" خرید کر دیں گے

لذّے دار لطیفے

ایک شخص فٹ پاتھ پر چلا جا رہا تھا کہ اسے بجلی کے کھمبے پر ایک اشتہار نظر آیا۔ اشتہار چونکہ اونچائی پر لگا ہوا تھا، اس لئے وہ شخص کھمبے پر چڑھ گیا اور اشتہار پڑھنے لگا۔ لکھا تھا "کھمبا گیلا ہے۔ برائے مہربانی اسے ہاتھ مت لگائیں۔"

ایک لڑکا بھاگا بھاگا سپاہی کے پاس گیا اور بولا "سنتری جی جلدی کرو ایک آدمی میرے والد صاحب کو مار رہا ہے۔"

سپاہی نے جا کر دونوں کو چھڑایا تو معلوم ہوا کہ دونوں کافی دیر سے لڑ رہے تھے۔

سپاہی نے لڑکے سے پوچھا "تم نے مجھے پہلے کیوں نہ بتایا"

"جی پہلے میرے والد صاحب اس شخص کو مار رہے تھے۔" لڑکے نے فوراً جواب دیا۔

(چودھری ساجد حسین، رتنہ تالاب کراچی)

امتحان سر پہ تھے انہی دنوں میں ایک استاد نے اپنے شاگرد سے شعر سنانے کے لئے کہا تو

شاگرد نے یہ شعر سنایا

جگر کا خون چوس لیتا ہے امتحان کا زمانہ
کبھی سہ ماہی کبھی نو ماہی اور کبھی سالانہ

احمد فہیم نیازی

فیڈرل بی ایریا، کراچی

ایک مداری تماشا دکھا رہا تھا۔ اس نے ہجوم سے ایک لڑکے کو بلایا اور پوچھا "لڑکے بتاؤ تم میرے رشتہ دار تو نہیں ہو یا تم نے مجھ کو دیکھا تو نہیں" لڑکے نے معصومیت سے جواب دیا "نہیں ابا جان۔"

(جاوید اقبال، نندہ عثمان والا، ضلع قصور)

ایک عورت (بھکاری بچے سے) تمہیں شرم نہیں آتی بھیک مانگتے ہوئے۔ تم جیسے بچے تو اسکول جاتے ہیں۔

بھکاری بچہ:۔ وہاں بھی گیا تھا لیکن کسی نے ایک پیسہ بھی نہیں دیا۔

پرنس زرتاج احمد لیاقت آباد ــــ کراچی

ایک استانی نے بچوں کے ساتھ گروپ فوٹو کھنچوایا جب فوٹو تیار ہو کر آگیا تو بچوں کو دکھاتے ہوئے بولیں "بچو ــ جب تم بڑے ہو جاؤ گے تو کہو گے: یہ حامد ہے جو اب انجینئر بن گیا ہے، یہ طارق ہے جو اب کمشنر بن گیا ہے، ــ" یہ سن کر ایک لڑکا معصومیت سے بولا "یہ ہماری مس تھیں جو اب دنیا میں نہیں رہیں"

ارسلان قریشی ــــ حیدر آباد

شانی سبزی لینے بازار جا رہا تھا امی جان نے اُسے اچھی سبزی خریدنے کے بارے میں کچھ ہدایات دیں جب شانی واپس آیا تو امی ٹوکری میں گلے سڑے ٹماٹر دیکھ کر بہت ناراض ہوئیں تو شانی نے معصومیت سے جواب دیا۔ "امی ــ آپ نے ہی تو کہا تھا کہ گلے سڑے دیکھ کر لانا"

فہمیدہ جبیں ــــ جہلم

استانی صاحبہ ایک بچی کو جمع سکھاتے ہوئے بولیں، نومی تمہارے پسندیدہ اعداد کون سے ہیں۔

"مس ۴۲۰ ، ۹۲ اور ۴۲"

شاباش مس نے حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا۔ "اب ان سب کو جمع کر کے ٹوٹل بتاؤ کہ کیا ہوا"

"مس اگر یہ بات ہے تو میرے پسندیدہ عداد ایک اور دو ہیں"

(معتمد پرویز آرائیں ــ شرقپور خورد)

ایک لڑکا اپنے دوستوں کو بتا رہا تھا۔ "صبح جگاتے ہوئے تو امی کہتی ہیں۔ اٹھو بیٹے سورج سر پر آگیا ہے، لیکن جب میں ناشتہ کے بعد ایک روپیہ مانگتا ہوں تو کہتی ہیں کچھ خیال کرو بیٹا ــ ابھی تو دن بھی نہیں چڑھا۔"

گل ارم ــ کراچی

ایک شخص (دوسرے سے) آج کل کے لڑکے بہت بگڑ گئے ہیں۔
آپ کا بیٹا کیسا ہے۔
دوسرا شخص:۔ بہت اچھا ہے۔
پہلا شخص:۔ رات کو دیر سے گھر تو نہیں آتا۔
دوسرا شخص:۔ وہ تو رات گھر سے باہر ہی نہیں جاتا۔
پہلا شخص:۔ سگریٹ پیتا ہے۔
دوسرا شخص:۔ بالکل نہیں۔

پہلا شخص:۔ گھر میں کرکٹ کھیل کر چیزیں توڑتا ہے۔

دوسرا شخص:۔ کبھی بلے کو ہاتھ ہی نہیں لگایا

پہلا شخص:۔ پھر تو بہت اچھا لڑکا ہے کیا عمر ہے برخوردار کی۔

دوسرا شخص:۔ اس ماہ کی پانچ تاریخ کو پورے سات ماہ کا ہو جائے گا۔

شاہد علی ـــــــ ڈگری

ایک دوست نے دوسرے سے پوچھا، "یار کوئی ایسا طریقہ بتاؤ کہ لوگ مجھے ہمیشہ یاد رکھیں"۔

دوسرا دوست بولا۔ "تم کسی سے قرض لے کر بھول جاؤ۔ پھر ہمیشہ یاد رکھے جاؤ گے،

(امجد علی، اقبال روڈ، میرپور خاص)

ایک عورت نے جانوروں کے ڈاکٹر کو فون کیا اور بڑی گھبراہٹ میں بتایا کہ ڈاکٹر صاحب میرے کتے کی حالت بے حد نازک ہے ڈاکٹر نے پوچھا کہ کیا بات ہوئی عورت نے جواب دیا کہ میرے ملازم نے پیالہ میں پٹرول رکھا تھا۔ کتے نے اسے سارا پی لیا ہے اور جب سے اس کی حالت بے حد خراب ہے۔ مستقل اِدھر سے اُدھر ٹہل رہا ہے۔ بتائیے میں کیا کروں ڈاکٹر نے جواب دیا۔ محترمہ گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے جب پٹرول ختم ہوگا تو وہ خود بخود رک جائے گا۔

محمد یعقوب خان، ـــــــ لانڈھی کراچی

باپ (بیٹے سے) جب کوئی بڑا آدمی آجائے تو خود اٹھ کر اسے جگہ دے دیتے ہیں۔

ایک دن بیٹا اپنے باپ کی گود میں بیٹھا ہوا تھا کہ دادا جان آگئے۔

بیٹا فوراً اٹھ بیٹھا اور کہنے لگا۔

دادا جان تشریف رکھیئے۔

محمد سہیل احمد جنجوعہ

کھیوڑہ ٹک۔

ایک کروڑپتی کنجوس مرنے لگا تو ایک شخص نے کہا۔

سیٹھ صاحب اب تو آپ کا آخری وقت ہے خدا کی راہ میں کچھ دیتے جائیے۔

خدا کو جان دے رہا ہوں اور کیا دوں۔

سید عتیق الرحمٰن، ـــــــ ہتراڑ

تحصیل کہوٹ

ایک آدمی کو جب گدھے نے دولتی جھاڑی تو اس نے بھی گدھے کو دو تین ٹانگیں رسید کیں اور بولا تو کیا سمجھتا ہے کیا ہم تجھ سے کم ہیں۔

حنا سعید اسلام آباد

توانائی کھیل کود میں
توانائی ورزش میں
توانائی بھاگ دوڑ میں

توانائی کی ضرورت لمحہ بہ لمحہ

یعقوب انرجی فوڈ بسکٹ سے توانائی بھی اور لذت بھی

YBF
یعقوب بسکٹ فیکٹری۔ سکھر

Orient

ماہانہ مقابلۂ معلومات

دائرۂ معلومات

اُمّ رباب جعفری

اشاروں کو غور سے پڑھیے اور ان کے جوابات کو ترتیب سے دائرے میں لکھنا شروع کر دیجئے۔ یاد رہے کہ پہلے اشارے کا جواب جس حرف پر ختم ہوگا۔ دوسرے اشارے کا جواب اسی حرف سے شروع ہوگا۔ مثلاً پہلا لفظ ہے "ناسخ" ہے تو دوسرے اشارے کا جواب حرف "خ" سے شروع ہوگا۔ اب آپ پنسل لیجئے اور جلد سے دائرے کو پُر کیجئے۔ جوابات بھجوانے کی آخری تاریخ ۱۰ ستمبر ہے صحیح جوابات بھجوانے والے ساتھیوں کو بذریعہ قرعہ اندازی انعامات بھی دیئے جائیں گے اور ان کے نام اور تصاویر بھی شائع کی جائیں گی علیحدہ کاغذ پر جوابات کے علاوہ دائرہ بھجوانا بھی ضروری ہے۔

۱۔ اردو کے ایک شاعر۔ جن کا اصل نام امام بخش تھا۔

۲۔ اردو کی ایک افسانہ نگار خاتون۔ جنہیں ان کے ناول آنگن پر آدم جی انعام دیا گیا۔

۳۔ لفظ پاکستان کے خالق چودھری ــــــــــ تھے۔

۴۔ برطانیہ کے پرچم کو عام طور پر ــــــــــ کہا جاتا ہے۔

۵۔ پاکستان کا سب سے بڑا شہر اور صوبہ سندھ کا صدر مقام

۶۔ یورپ کا ایک ملک۔ جس کا صدر مقام بلغراد ہے۔

۷۔ امریکہ کا ایک شہر۔ جو صنعت فلم سازی کا بہت بڑا مرکز ہے۔

۸۔ ایک مشہور سائنسدان۔ جس کا نظریہ ارتقا مشہور ہے۔

۹۔ ایک مشہور فرانسیسی جنرل

۱۰۔ میسور کا آخری حکمران۔ جس کا اصل نام فتح علی تھا۔

۱۱۔ پاکستان کے واحد نائب صدر جناب ــــــــــ تھے۔

۱۲۔ ایک مشہور آبشار امریکہ اور کینیڈا کے درمیان واقع ہے۔

۱۳۔ خواجہ معین الدین چشتی رحؒ کا مزار اس شہر میں واقع ہے۔

ROSE PETAL®
The Big Soft Tissues
A Product of Packages Ltd

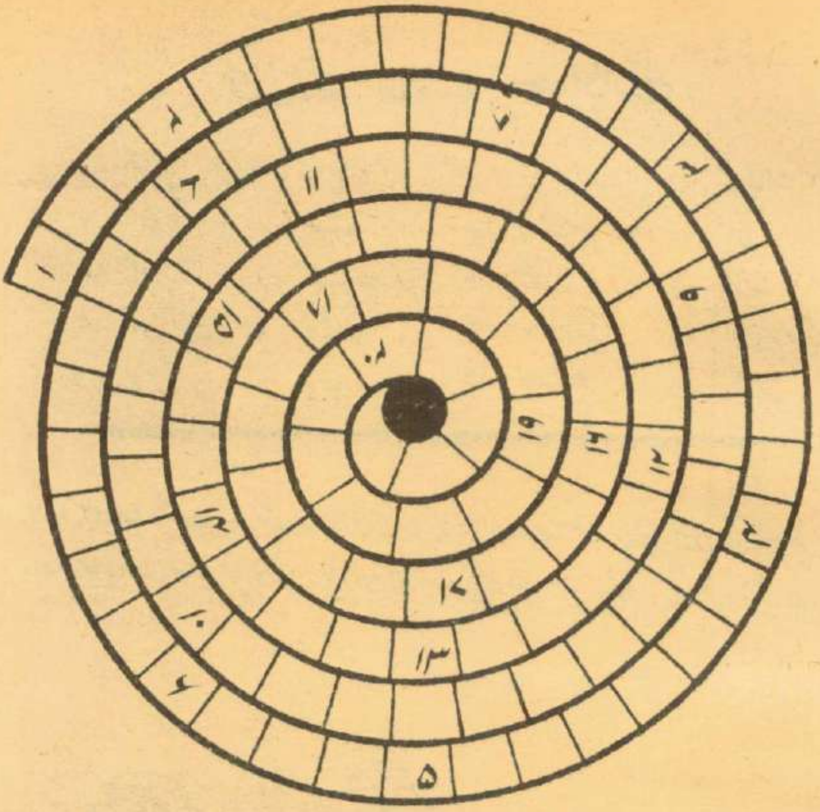

۱۴۔ سعودی عرب کا دارالخلافہ۔

۱۵۔ ایک شاعر جن کا شعر ہے۔

تیرے کوچے میں یوں کھڑا ہوں میں
جیسے ہاکی کا گول کیپر ہو

۱۶۔ ایک پیغمبر جن کا حسن و خوبصورتی میں کوئی ثانی نہیں؟

۱۷۔ ہسپانیہ کا ایک فرماں روا جس کے عہد میں (۱۴۹۲ء) کولمبس نے امریکہ دریافت کیا۔

۱۸۔ مچھلی کی ایک قسم جسے انسان دوست مچھلی بھی کہتے ہیں۔

۱۹۔ فرانس کا شمالی ساحلی علاقہ جہاں سے نازیوں کو پسپا ہونا پڑا۔

۲۰۔ جزیرہ نما کریمیا کا ایک صحت افزا اور حسین مقام جہاں چرچل روز ویلٹ اور اسٹالن کے درمیان معاہدہ طے پایا تھا۔

گزشتہ ماہ کے جوابات

۱۔ اقبال
۲۔ لندن
۳۔ نجوم
۴۔ محمود غزنوی
۵۔ یونسؑ
۶۔ ساہیوال
۷۔ لغت
۸۔ تخت طاؤس
۹۔ سڈنی
۱۰۔ یاک
۱۱۔ کرشن چندر
۱۲۔ راشد منہاس
۱۳۔ سوڈان
۱۴۔ ناظم الدین
۱۵۔ نادر شاہ
۱۶۔ ہوچی منہ
۱۷۔ ہاکی
۱۸۔ یوگنڈا
۱۹۔ ابراہیم لودھی
۲۰۔ یونان

دائرہ معلومات اگست ۱۹۸۶ء قرعہ اندازی کے مطابق اوّل انعام کا مستحق سید جمیل حسین، دینہ ضلع جہلم ، دوم انعام سلطان بشیر، اسلام آباد، اور سوم انعام فاروق بشیر ناظم آباد کراچی، کو قرار دیا گیا ہے۔

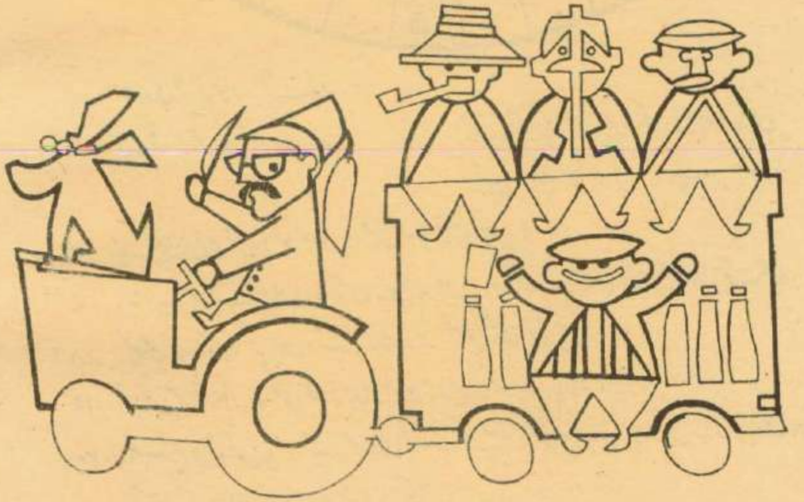

دائرہ معلومات اگست ۸۶ کے صحیح جوابات دینے والے ذہین بچے

- زبیر اخوند، پرانا سکھر
- الویت محمود، لطیف آباد نمبر ۹ حیدرآباد
- سیّد جمیل حسین، دینہ، ضلع جہلم
- محمد روف آرائیں، کوٹ غلام محمد، تھرپارکر
- تاج الملوک، چوک منگلا روڈ، دینہ ضلع جہلم
- نازیہ رمضان، کھارادر، کراچی
- عدنان ایاز، کورنگی، کراچی
- نصرت جہاں انصاری، زبیری کالونی، کراچی
- سلطان بشیر، جی/۶ فور، اسلام آباد
- ارشاد محمد شیخ، لطیف آباد نمبر ۱۱، حیدرآباد
- محمد سہیل اقبال شیخ، لطیف آباد نمبر ۵ حیدرآباد
- سعید احمد، ایف/۶ ون، اسلام آباد
- مقصود احمد صدیقی، اورنگی ٹاؤن، کراچی
- سیّد محمد علی رضوی، لطیف آباد نمبر ۱۱ حیدرآباد
- مرزا توصیف بیگ، شاہی بازار، حیدرآباد
- محمد مغیرہ چوہان، لانڈھی، کراچی
- محی الدین احمد، لانڈھی نمبر ۲ کراچی
- فاروق بشیر، ناظم آباد نمبر ۵ کراچی
- خواجہ عمر فاروق، النور سوسائٹی
- خرم عبدالحمید بٹ، گلشن اقبال، کراچی
- چوہدری ساجد حسین، رتن تالاب، ریڈیو پاکستان
- شہناز پروین، لی مارکیٹ، کراچی،
- عامر رحمٰن، فیڈرل بی ایریا، کراچی
- خرم حسن شفیق، ڈرگ کالونی، کراچی
- افشاں، نارتھ کراچی
- محمد کامل منصوری، شاہی بازار، ٹنڈوالہیار
- نصرت، لیاقت آباد، کراچی
- محمد عباس، دستگیر، کراچی
- محسن رسول بلوچ، لطیف آباد نمبر ۶ حیدرآباد
- تعزین جان، نارتھ ناظم آباد
- محمد ندیم اصغر، عثمان آباد
- محمد شبیر حسین، غازی نگر، عثمان آباد، کراچی
- ثنار ضیاالدین، لطیف آباد نمبر ۱۱، حیدرآباد کراچی
- انیقہ صدف، شاہی بازار، حیدرآباد
- توصیف حیدر شاہ، مین چوک دینہ، جہلم
- فیض الرحمٰن، اسٹاف کالونی، میرپور آزاد کشمیر
- صداقت علی ساقی، پنڈ دادن خان شہر
- محمد فہیم، ماڈل کالونی، کراچی،
- شکیل احمد، جمرود، خیبر ایجنسی سرحد

ایک غلطی کرنے والے بچے

- یاسمین گل درانی، فیڈرل بی ایریا، کراچی
- محمد شاہد رسول، لطیف آباد نمبر ۱۱، حیدرآباد

ہماری سپلائی کا مؤثر نظام اور سیلز کا کارگزار عملہ ہر صبح ہر شام
ہر جگہ تازہ مال کی فراہمی کے ضامن

DAWN
BREAD

گولڈن گرینز فوڈ انڈسٹریز لمیٹڈ
ہیڈ آفس: کراچی فون: 311818-312727
اسلام آباد: فون: 843883

MASS.

بانو ایمن

ایک رات کا سفر

شہر سے کافی دور ایک پہاڑی تھی۔ یہ پہاڑی جنگلی پھلوں اور پھولوں کے ٹیڑھے میڑھے درختوں سے اس طرح ڈھکی ہوئی تھی کہ کوئی اوپر سے دیکھتا تو پہاڑی پر پتھر یا مٹی کچھ نظر نہ آتا۔ سب کچھ ہرا ہی ہرا یا پھولوں کا نیلا پیلا سرخ ہی دکھائی دیتا۔ بہت خوبصورت جگہ تھی۔

پہاڑی کے دوسری طرف دو تین چھوٹی بستیاں تھیں۔ ان بستیوں میں کسان، چرواہے گوالے اور لکڑی کا کام کرنے والے ہنرمند بستے تھے۔

پہاڑی کے دامن میں صرف ایک سڑک بنی تھی۔ یہ سڑک شہر سے آتی تھی۔ سڑک پکی نہیں تھی، بس بڑے بڑے پتھروں کو مٹی میں دباکر اور اوپر سے روڑی، کنکر، مٹی پھیلاکر ہموار کر دیا گیا تھا۔ بہت زیادہ محنت یا رقم لگانے کی ضرورت بھی کیا تھی اس لئے کہ سڑک کم ہی چلتی تھی۔ اس پر سے دن میں دوبار دودھ لے جانے والے گوالے اپنی سائیکلیں کھڑکھڑاتے گزرتے تھے یا پھر بکریوں کا ریوڑ گھیرتے ہوئے کچھ چرواہے۔ یا ہفتے میں دو تین بار اس سڑک سے گھوڑوں پر سوار سرکاری کارندوں کا گزر ہو جاتا تھا۔ کسی بستی والے کا خط یا تار آتا تو ڈاک منشی اپنی پرانی سائیکل اٹھاکر اس سڑک سے ہوتے ہوئے بستیوں میں چلے جاتے اور آدھا دن لگاکر گنتی کے دو چار خط یا تار پہنچا آتے۔ کبھی تو انہیں اس طرف آتے ہوئے ایک ایک ڈیڑھ ڈیڑھ مہینہ ہو جاتا تھا۔ کسی کا کوئی خط نہ آئے تو بھلا وہ کس لیے اُدھر جائیں۔ خود بستیوں کے لوگ کبھی کبھار ہی شہر جاتے تھے۔ وہ اپنی ضرورت کا سب سامان وہیں کے ایک دکاندار سے خرید لیا کرتے تھے۔ دکاندار نے بستیوں کے بیچوں بیچ جھرنے کے برابر چھوٹے سے ایک ٹیلے پر اپنی دکان بنائی تھی۔ وہ رہتا بھی دکان ہی میں تھا۔ پابندی کے ساتھ دس بارہ دن بعد وہ اپنی گھوڑا گاڑی تیار کرتا اور شہر کی طرف صبح سویرے روانہ ہو جاتا۔

دکان کے لئے ڈھیروں چیزیں خرید کر وہ شام ہوتے واپس آجاتا۔ اس طرح سورج ڈوبنے سے پہلے وہ اپنے گھر میں ہوتا تھا۔ جس دن دکان دار کو شہر جانا ہوتا اُس دن وہ بستی کی ایک بڑی بی کو دکان پر بٹھا جاتا، اُس کی غیر موجودگی میں بڑی بی گاہکوں کو سودا سلف دیتی رہتیں۔ دکاندار آجاتا تو بڑی بی اُس کے اور اپنے لیے کھانا تیار کرتیں کیوں کہ رات بڑی بی اپنے گھر تو جا نہیں سکتی تھیں وہ مچان پر بچھے بستر پر سونے چلی جاتیں۔ دکاندار نے بڑی بی کے لئے دکان میں دو چھتی بناکر لکڑی کی سیڑھی لگادی تھی۔ بڑی بی سیڑھی پر سنبھل سنبھل کر پیر رکھتی ہوئی مچان پر، پھر بستر پر پہنچ جاتی تھیں۔ انہیں سیڑھیاں چڑھنے کی یہ مشقت اچھی نہیں لگتی تھی مگر کیا کرتیں۔ نیچے دکان میں سونے کے خیال ہی سے انہیں ڈر لگتا تھا۔ دکان دار نیچے سونے سے ڈرتا تو نہیں تھا لیکن سورج ڈوبتے ہی وہ دکان کے سب دروازے بند کر لیتا تھا۔ اور پھر صبح سے پہلے نہیں کھولتا تھا۔ چاہے کچھ ہو جائے، کوئی بھی آجائے۔

ان سب باتوں کی ایک وجہ تھی۔ وجہ یہ تھی کہ بستیوں کے لوگوں نے سن رکھا تھا کہ

خوبصورت پہاڑی پر بہت سے کٹیلے جانوروں کے بھٹ ہیں۔ وہاں چیتوں کا ایک جوڑا رہتا ہے۔ بڑا ہی خوفناک، دو خاندان ریچھوں کے ہیں اور ایک بوڑھا شیر بھی کہیں سے آگیا ہے۔ لوگ بتاتے تھے کہ پہاڑی پر اور بھی خطرناک جانور ہیں مگر کسی کو ان کی تفصیل نہیں معلوم تھی۔ ان کٹیلے جانوروں کو بہت کم لوگوں نے دیکھا تھا۔ بلکہ دیکھنے والے شاید پہلے کبھی وہاں رہتے ہوں گے، اب یا تو وہ چلے گئے تھے یا پھر مر کھپ گئے تھے۔ کٹیلے جانوروں کی آوازیں البتہ بہت سوں نے سُن رکھی تھیں۔

دکاندار کا خیال تھا کہ اُس نے شیر اور چیتے کی آوازیں سُنی ہیں۔ گاؤں کے چوکیدار، لوہار حجام اور بہت سے کسانوں کا دعویٰ تھا کہ انہوں نے بھی ریچھوں کی آوازیں سُنی ہیں۔ ایک چرواہا کہتا تھا کہ ایک بار وہ شہر گیا، لوٹتے ہوئے راستے میں اُسے رات ہوگئی، واپس شہر جانا ممکن نہیں تھا فاصلہ بہت تھا اس لئے وہ پہاڑی کے ایک اونچے درخت پر چڑھ گیا اور ساری رات جاگتا رہا اور خوف سے کانپتا رہا کیوں کہ اُسے ہر طرف سے کٹیلے جانوروں کی ڈراؤنی آوازیں آتی رہی تھیں، خوفناک سائے ہر طرف چل پھر رہے تھے۔ صبح خوف سے اَدھ مُوا وہ بے چارہ جیسے تیسے درخت سے اُترا اور ہزار پریشانیوں کے بعد گاؤں پہنچ سکا۔ اس طرح کے بہت سے قصے تھے جو ہر گاؤں میں مشہور تھے۔ بہت سے لوگوں نے کھڑکیوں سے جھانک کر راتوں کے وقت کٹیلے جانوروں کو سایوں کی طرح بستی میں گھومتے پھرتے دیکھا تھا۔ اور اُن کی آوازیں سُنی تھیں وہ اپنے بچّوں کو اُن سایوں اور آوازوں کے بارے میں بتاتے رہتے تھے۔ تو برسوں سے خوب صورت پہاڑی کی دوسری طرف بسے گاؤں والے کٹیلے جانوروں کے خوف سے اسی طریقے پر زندگی گزار رہے تھے۔ اُن کے گلیوں محلّوں میں دن کے وقت تو خوب چہل پہل رہتی مگر مغرب ہوتے ہی سناٹا ہوجاتا، لوگ دَم سادھے نیند کا انتظار کرتے رہتے ایسی کچھ عادت ہوگئی تھی کہ گود کے بچے تک آوازیں نہیں نکالتے تھے۔

خیر، تو۔ ایک دن صباحت نام کا ایک لڑکا پہاڑی بستیوں کی طرف جانے کے لئے شہر سے روانہ ہوا۔ وہ دکاندار کا بھتیجا تھا اور چچا کی دعوت پر چھٹیاں گزارنے جا رہا تھا۔ دکاندار نے اپنے خط میں صباحت کو اچھی طرح سمجھا کر لکھ دیا کہ دن ہی دن میں وہ دکان پر پہنچ جائے۔ رات کے وقت ہرگز اُدھر کا رُخ نہ کرے۔ اس کے سوا چچا نے کچھ اور نہیں لکھا تھا۔

صباحت شہر سے چلا تو اچھی طرح دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ وہ پہاڑی کے دامن میں بنی سڑک پر چل پڑا۔ سڑک پر کچھ دور اُس نے ایک بڑے میاں کو خاکی وردی پہنے چمڑے کا جھولا لٹکائے اپنی سائیکل پر آہستہ آہستہ جاتے دیکھا۔ صباحت تو تھا ہی کھلنڈرا لڑکا اُس نے دوڑ لگا کر بڑے میاں کی سائیکل کو جالیا، اُن کو سلام کیا اور دکان کے بارے میں پوچھا کہ وہ پہاڑی سے کس طرف ہے۔ بڑے میاں سائیکل سے اُتر گئے۔ وہ شہر سے آتے ہوئے تھک سے گئے تھے ذرا ستانا بھی چاہتے تھے۔ پھر وہ ڈاک منشی تھے۔ سب جگہیں جانتے تھے۔ رستے بتانا اُن کو ویسے بھی پسند تھا۔

بڑے میاں کو جب معلوم ہوا کہ صباحت نام کا یہ لڑکا دکاندار کا بھتیجا ہے اور اپنے چچا کے پاس جا رہا تھا تو انہوں نے پیش کش کی کہ سائیکل پر بیٹھ جاؤ، میں تمہیں آرام سے دکان تک پہنچا دوں گا۔ صباحت کو بھی سائیکل چلانی آتی تھی اُس نے ڈاک منشی سے طے کیا کہ کچھ دور تک وہ سائیکل چلائے گا اور انہیں کھینچے گا، کچھ دور وہ اُسے کھینچیں گے۔ ڈاک منشی راضی ہو گئے۔ بہت آرام سے یہ دونوں پہاڑی کے دامن میں بنی سڑک پر چلے جا رہے تھے — اتفاق سے دوسری طرف سے ایک جیپ گاڑی ڈھلوان پر سے اتر رہی تھی۔ اس وقت صباحت سائیکل چلا رہا تھا۔ ڈاک منشی کیریئر پر بیٹھے تھے۔ صباحت اپنے خیالوں میں گم سائیکل چلا رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ پہلی بار چچا کے پاس جا رہا ہوں، خوب خوب سیر کروں گا یعنی اُس کا پورا دھیان سڑک پر نہیں تھا۔ اچانک جیپ کو سامنے دیکھ کر وہ گڑبڑا گیا۔ اس پریشانی میں سائیکل کا پچھلا پہیہ جیپ گاڑی کے مڈگارڈ سے ٹکرا گیا۔ سائیکل اور ڈاک منشی اور صباحت دور جا گرے۔ صباحت تو خیر سے سڑک کے کنارے دُکی گھاس پر گرا تھا، اُسے معمولی خراشوں کے سوا کوئی چوٹ نہیں آئی۔ ڈاک منشی بے چارے کے سر میں چوٹ آئی وہ بے ہوش ہو گئے۔ جیپ والوں نے اُتر کر دیکھا انہیں اس بات کا بہت افسوس تھا کہ یہ حادثہ اُن کی گاڑی سے ہوا ہے۔ لیکن حادثے میں اُن کا کوئی قصور نہیں تھا۔ صباحت کو بڑی شرمندگی اور بہت فکر تھی، مگر اب کیا ہو سکتا تھا ڈاک منشی کی سائیکل بالکل ٹوٹ پھوٹ کر ٹیڑھی ہو گئی تھی۔ اُن کا خطوں اور تاروں کا سرکاری جھولا دور جا پڑا تھا۔

جیپ والوں نے صباحت کو دیکھا، وہ بالکل ٹھیک تھا۔ جیپ والوں نے سوچا بے ہوش

ڈاک منشی کو فوراً شہر کے اسپتال لے جانا چاہیئے، سر کی چوٹ ہے، ماہر ڈاکٹروں کو دکھانا اچھا ہوگا۔ انہوں نے صباحت کو بھی شہر پہنچانے کی پیش کش کی مگر اُسے تو آگے جانا تھا، اُس نے انکار کر دیا۔ اس تمام پریشانی میں بہت سا وقت ضائع ہو گیا تھا۔ جیپ والوں نے بے ہوش ڈاک منشی کو جیپ میں ڈالا اور وہ شہر کی طرف تیزی سے روانہ ہو گئے۔ اُن کے جانے کے بعد صباحت کی نظر ٹوٹی پھوٹی سائیکل اور ڈاک کے تھیلے پر پڑی۔ اُس نے سوچا ڈاک منشی کی سائیکل تو اس وقت لے جانے کے قابل نہیں ہے، تھیلا اور اُس میں بھری ہوئی ڈاک سرکاری چیز ہے پھر تھیلا ہلکا بھی ہے وہ اسے سنبھال کر چچا کے پاس لے جائے گا۔ چچا خط والوں کو اُن کے خط اور تار پہنچا دیں گے۔ کیا خبر کس کس کے کتنے ضروری خط ہوں، اگر وقت پر لوگوں کو نہ مل سکے تو کہیں اُن کا نقصان نہ ہو جائے۔ صباحت نے سوچا بعد میں جب ڈاک منشی اس طرف آئیں گے تو چچا اُن کا جھولا اُن کے حوالے کر دینگے۔

تو بس صباحت ڈاک منشی کی طرح تھیلا گلے میں ڈال کر سڑک پر چل پڑا۔ حادثے کی وجہ سے کافی وقت ضائع ہو گیا تھا۔ اس لئے وہ تیز تیز چل رہا تھا۔ ڈاک منشی نے صباحت کو راستہ تو سمجھا ہی دیا تھا اُس نے سوچا وہ سڑک چھوڑ کر کسی قریب کے راستے سے پہاڑی پر چڑھ کر دکان تک پہنچ سکتا ہے تو پھر کیوں اس لمبی سڑک پر وقت ضائع کرے۔ اس لئے وہ سڑک چھوڑ کر جنگلی پھولوں اور پھلوں سے لدے ہوئے ٹیڑھے میڑھے درختوں کے درمیان رستہ بناتا ہوا خوب صورت پہاڑی پر چڑھنے لگا۔ پہاڑی پر طرح طرح کی چڑیاں اور تتلیاں اُڑتی پھرتی تھیں۔ سفید سفید خرگوش اور رنگ برنگے گرگٹ تھے اور درختوں کے تنوں پر چلتے ہوئے شوخ رنگوں والے کیڑے مکوڑے تھے، کہیں پھل دار درختوں پر طرح طرح کے پھل پک رہے تھے۔ صباحت اِن سب خوب صورت چیزوں کو دیکھتا اور پہاڑی پھلوں کے مزے چکھتا ہوا چلتا رہا۔ وہ اپنے اندازے ہی سے چل رہا تھا اور سمجھ رہا تھا کہ گھنٹہ بھر میں پہاڑی کے دوسری طرف اُتر جائے گا اور دکان تک پہنچ جائے گا۔ مگر صباحت راستہ بھول چکا تھا، پھر شام گہری ہو گئی اور پرندے شور کرتے ہوئے اپنے بسیروں کو آنے لگے۔

سورج ڈوب گیا اور صباحت پہاڑی کے گھنے جنگل کے اندھیرے میں اور بھی بھٹک گیا مگر وہ باہمت لڑکا تھا۔ اُس نے سوچا کچھ دیر بعد چاند نکل آئے گا۔ پورے چاند کی رات ہے،

کافی روشنی ہوگی۔

خیر چاند تو نکل آیا اور صباحت چاند کی ٹھنڈی روشنی میں پہاڑی سے اُترنے کا راستہ ڈھونڈنے لگا۔ آدھی سے زیادہ رات گزر گئی تھی۔ صباحت تھک گیا تھا۔ اُسے بھوک بھی لگ رہی تھی مگر چاندنی رات میں پہاڑی کے سرسبز درختوں اور رات کو گھومنے، سیر کرنے والے جانوروں کی آوازوں نے کچھ ایسا سماں باندھا تھا اور رات میں کھلنے والے پھولوں کی خوشبو نے کچھ ایسا جادو چلایا تھا کہ صباحت کو بھوک اور تھکن کا اتنا خیال نہیں آیا۔ وہ پہاڑی کی رات کی خوب صورتی میں مگن چلتا رہا۔ آخر صبح ہوتے ہوتے دوسری طرف اُتر گیا۔ وہ ڈاک منشی کے بتائے ہوئے راستے کے نشانات کو پہچان گیا تھا۔اُس نے وہ جھرنا دیکھ لیا تھا جس کے پاس ٹیلے پر اُس کے چچا کی دکان تھی۔ جب وہ دوسری طرف اُترا تو سورج آسمان میں بلند ہو چکا تھا۔ صباحت کا دکاندار چچا اپنی دکان کھول رہا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ گلے میں ڈاک کا تھیلا ڈالے اُس کا بھتیجا پہاڑی کے گھنے جنگل سے نکل کر اُس کی طرف آرہا ہے پہلے تو اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ بھلا اِس طرف سے اِس وقت کوئی کیسے آسکتا ہے۔ اور پھر صباحت ڈاک کے تھیلے کے ساتھ کیوں آئے گا۔اُس نے سوچا یہ نظروں کا دھوکہ ہے مگر جب صباحت دوڑ کر اپنے چچا کے پاس پہنچا اور اُس سے بغل گیر ہُوا تب دکاندار چچا کی حیرت کا ٹھکانا نہیں رہا۔ صباحت نے چچا کو بتایا کہ کس طرح وہ صبح کے وقت شہر سے چلا تھا، ڈاک منشی کے ساتھ سائیکل پر آرہا تھا تو جیپ گاڑی کا حادثہ ہُوا اور کس طرح وہ قریب کے رستے کی لالچ میں پہاڑی پر چڑھ گیا اور رات بھر بھٹکتا رہا۔ رات میں، پہاڑی پر، اکیلا۔ چچا تو یہ سُن کر بے ہوش ہوتے ہوتے بچا۔ اُس نے صباحت سے پوچھا کہ کیا اُسے جنگل میں چیتے، شیر اور ریچھ نہیں ملے۔؟ صباحت کے لئے کٹیلے جانوروں والی بات بالکل نئی تھی۔ اُسے چڑیاں اور تتلیاں اور خرگوش اور گرگٹ بے شک ملے تھے اور جنگل کے رسیلے پھل اور پھول بھی۔ اُس نے جیب سے نکال کر کچھ پھل اپنے چچا کو دکھائے بھی۔ اُس نے بتایا کہ کٹیلے جانوروں سے یہ پہاڑی خالی ہے۔ پھر چاندنی رات میں پہاڑی سے گزرتے میں جو لطف اُسے آیا وہ اُس نے اپنے چچا سے بیان کیا۔ دکاندار چچا، دکان کے باہر ہی پتھر پر بیٹھ گیا۔ اور سوچنے لگا۔ اس نے سوچا تو پھر یہاں کٹیلے جانور ہوں گے ہی نہیں۔ جس نے بھی پہلے پہل .

کٹیلے جانوروں کی بات پھیلائی ہوگی اُس نے خود انہیں اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا ہوگا، کسی سے سُن لیا ہوگا، پھر اپنا خوف اور اپنا وہم دوسروں سے بیان کردیا ہوگا۔

جس نے وہ ڈراؤنے سائے دیکھے ہوں گے اور وہ آوازیں سُنی ہوں گی اُسے بھی وہم ہی ہوا ہوگا۔ اُس نے اُس وہم کی بنیاد پر درختوں کے ہلتے سایوں سے چیتے، شیر اور ریچھ بنالئے ہوں گے اور رات کے جنگل کی مختلف آوازوں کو ان کٹیلے جانوروں کی آوازیں سمجھ لیا ہوگا۔

اس طرح صباحت کے چچا کو اصل بات سمجھ میں آگئی اُس نے صباحت سے کہا "ایک حادثے کی وجہ سے تمہیں جنگل سے گزرنے کا موقع ملا۔ یہ محض اتفاق تھا۔ اب یہی اتفاق ہماری بستی کے لوگوں کو کٹیلے جانوروں کے وہم سے آزاد کردے گا۔ تم ناشتہ کرلو پھر میں تمہیں ساتھ لے کر بستیوں میں جاؤں گا۔ اور کہوں گا کہ دیکھو ہم سب نے تصدیق کئے بغیر، سُنی سنائی باتوں کو سچ مان لیا اور تحقیق کئے بنا دوسروں کے وہم پر یقین کرلیا۔ دیکھا کتنے برس ہم نے تکلیف اٹھائی۔"

کہانی ختم ہوگئی۔ اب تم جان گئے ہو گے کہ کس طرح ایک ہمّت والے لڑکے نے ایک رات کے سفر میں بہت سے لوگوں کو بے بنیاد خوف سے نجات دلائی، اس لئے کہ اُس نے رات کا یہ سفر بے خوفی سے کیا تھا اور ہر قسم کے وہم سے آزاد ہو کر گیا تھا۔

الکوپ
المونیم کازمانہ
الکوپ
alcop
المونیم کمپنی آف پاکستان انڈسٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
— ایک ادارہ پاکستان کی ترقی میں پیہم کوشاں
ہیڈ آفس: میریٹ روڈ۔ کراچی
فون: ۲۲۳۸۵۱ - ۲۳۳۰۹۸ - ۲۲۴۸۸۵ - ۲۳۱۴۲۸ - ٹیلکس: ALCOP Pk ۲۵۴۱۳ - کیبل: EXTRUSIONS
لاہور ریجنل آفس: عابد مجید روڈ، لاہور کینٹ - فون: ۳۷۲۲۶۸۱
راولپنڈی ریجنل آفس: رحیم پلازہ، مری روڈ - فون: ۶۴۹۲۱
MASS

بھائی بڈّی

احمد حاطب صدیقی

لو وہ آ گئے بھائی "بڈّی"
جیب میں رکھّے تاش کی گڈّی

طور طریقے سارے گڑ بڑ
باتیں ایک سے ایک اُجڈّی

گاڑی کو یہ بولیں "گاڑا"
بس اسٹاپ کو "بس کی اڈّی"

کرکٹ کو ہاکی کر ڈالیں
ہاکی میں پڑ جائے کبڈّی

لڑنے میں حد درجہ ماہر
پڑھنے میں بے مثل پھسڈّی

چلتے ہیں یوں "ٹھک ٹھک" جیسے
چلتی ہے کپڑوں کی کھڈّی

سیدھے سر کے بَل گھس جائیں
گڈّھا دیکھیں اور نہ گڈّھی

بچّوں کے پیچھے یہ بھاگیں
مار کے نعرہ "ھَل کبڈّی"

جس سے دیکھو ہاتھا پائی
پھوٹے سر یا ٹوٹے ہڈّی

ہو جائیں گر گتھم گتھا
پاجامہ بن جائے چڈّی

کوئی ان کو دوست نہ جانے
یہ ہیں اپنے بھائی بڈّی!

مَصنوعَات کی دُنیا میں
ایسی کوئی مِثال یا ریکارڈ ہو تو بتایئے!

مصنوعات کی فروغ کے لئے خاص طور پر زور دیا جاتا ہے کہ ہماری پروڈکٹ نام لے کر طلب کیجئے۔ جبکہ ہمارا مشورہ بالکل مختلف ہے۔ کیونکہ ہمارے مُفید و مؤثر ٹوتھ پاؤڈر کے نام اور فوائد سے بچہ بچہ واقف ہے۔ تو کیا خریدتے وقت اس کا نام لینا ضروری ہے؟ اِتنا کہنا کافی نہیں کہ

"مجھے اچھّا ٹوتھ پاؤڈر چاہیئے"

غور کیجئے! ہمیں آپ کے اِنتخاب پر کس قدر بھروسہ ہے کہ ہم آپ کے آزمودہ و پسندیدہ "ٹوتھ پاؤڈر" کا نام "کمپنی کا نام" یہاں تک کہ "مونوگرام" ظاہر کئے بغیر مصنوعات کی دنیا میں خود اعتمادی کی پہلی مثال قائم کر رہے ہیں۔ آپ کے تعاون ہی سے ہمیں ایک ایسا ریکارڈ قائم کرنے کا موقعہ مِلا جو مصنوعات کی دنیا میں واحد مِثال ہے۔ یقیناً یہ ایک ایسا اعزاز ہے جو خدا کے فضل و کرم سے اب تک کسی دوسرے پروڈکٹ کو نصیب نہیں ہوا۔

نوٹ: اپنا پسندیدہ ٹوتھ پاؤڈر خریدتے وقت اس کے لیبل کی فِنشنگ خصوصاً مونوگرام وغیرہ چیک کر لیں۔ ہم شکر گذار ہوں گے اگر آپ جعلی و نقلی کی شِکایت بھیجتے وقت دکاندار کا مکمل پتہ بھی تحریر کریں تاکہ ہم قانونی کارروائی کر سکیں۔ شکریہ

MANUFACTURER OF WORLD'S BEST TOOTH POWDER
P.O. BOX: 2110, KARACHI-18

حق اسکواڈ

اخلاق احمد

لالو کے پڑ گئے لالے

امتحان جب سے ختم ہوئے تھے، وہ چاروں باقاعدگی سے ہیڈ کوارٹر جانے لگے تھے۔ "ہیڈ کوارٹر" ان کی پناہ گاہ تھا۔ اس چھوٹے سے غار میں وہ نیکی کو فروغ دینے اور بدی کا خاتمہ کرنے کے منصوبے بناتے تھے۔

ہر شام شہر یار کراٹے اور جوڈو کی پریکٹس کرنے کے بعد سیدھا وہیں پہنچتا تھا۔ سرفراز باڈی بلڈنگ کے لئے ورزش کرنے کے بعد آتا تھا۔

ضیاء اپنی رفتار کو تیز سے تیز تر کرنے کے لئے پارک میں طوفانی رفتار سے دوڑنے کے بعد پہنچتا تھا۔ اور شہزاد بجلی کے آلات اور مشینری کے معاملات میں زیادہ سے زیادہ مہارت حاصل کرنے کے لئے اپنی چھوٹی سی تجربہ گاہ میں کئی گھنٹے صرف کرنے کے بعد آتا تھا۔

یہ چاروں "حق اسکواڈ" کے ارکان تھے۔ اور وہ ہمیشہ خوش رہتے تھے کیونکہ اب تک انہوں نے برائی کو ختم کرنے کے لئے جتنی مرتبہ بھی کوشش کی تھی، خدا نے انہیں ہر مرتبہ کامیاب کیا تھا۔

"حق اسکواڈ" ایک چھوٹی سی خفیہ تنظیم تھی جس کے بارے میں کسی کو علم نہیں تھا۔

صرف شہریار، سرفراز، ضیا اور شہزاد ہی جانتے تھے کہ "حق اسکواڈ" کیا ہے اور اس کے فرائض کیا ہیں۔ وہ خاموشی سے بدی کے خلاف کام کرنے میں مصروف تھے۔

•—————•—————•—————•

ایک شام جب وہ چاروں "ہیڈ کوارٹر" میں جمع ہوئے تو غار میں رکھے ہوئے مٹی کے تیل کے چولہے پر چائے بنا کر پینے کے بعد شہریار نے گفتگو کا آغاز کیا
"حق اسکواڈ" کے دوستو۔" اس نے کہا۔"آج میں ایک اہم معاملے کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔"
" امتحانات ختم ہونے کی خوشی میں کوئی پارٹی دینا چاہتے ہو۔؟ سرفراز نے پوچھا۔
" نہیں"
" تمہاری سالگرہ آنے والی ہے۔؟" ضیاء نے سوال کیا۔
" نہیں۔"
" کسی خفیہ خزانے کے بارے میں پتہ چلا ہے۔؟ شہزاد نے پوچھا۔
" نہیں۔" شہریار مسکرایا۔" تم سب کے اندازے غلط ہیں۔ میں ایک ایسے معاملے کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں جس کا تعلق "حق اسکواڈ" سے ہے۔ بہت عرصے سے ہم فارغ بیٹھے ہوئے ہیں۔
اب ہمیں ایک مرتبہ پھر میدان میں نکلنا ہوگا۔"
سرفراز، ضیاء اور شہزاد کے چہرے خوشی سے دمکنے لگے۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ شہریار کسی نئی بُرائی کا پتہ چلا کر آیا ہے اور اب انہیں اس برائی کے خلاف جنگ کا آغاز کرنا ہوگا۔
" تم لوگ اپنے اسکول کے چوکیدار لالو کو جانتے ہو۔؟" شہریار نے پوچھا۔
سب نے سر ہلا کر کہا۔"ہاں۔"
" مجھے پتہ چلا ہے کہ لالو نے اسکول کے بعض لڑکوں کے ساتھ مل کر جعلی رپورٹ کارڈ فراہم کرنے کا کاروبار شروع کیا ہے۔" شہریار نے کہا۔" وہ امیر گھرانوں سے تعلق رکھنے والے لڑکوں سے پیسے لیتا ہے اور انہیں اسکول کی ایک خالی رپورٹ

کارڈ دے دیتا ہے۔ یہ لڑکے اس رپورٹ کارڈ پر جعلی نتیجہ لکھ کر گھر والوں کو دکھاتے ہیں۔ جس کے سو میں سے چالیس نمبر آتے ہیں، وہ گھر پر جو رپورٹ کارڈ دکھاتا ہے اس میں سو میں سے اسّی نمبر لکھے ہوئے ہوتے ہیں۔"

"شہریار۔" سرفراز نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔؟"

"گرمی بہت ہو رہی ہے۔" شہزاد نے ہمدردی سے کہا۔ "آدمی تھک جاتے تو ایسی ہی اُلٹی سیدھی باتیں کرنے لگتا ہے۔"

ضیاء نے سر کھجا کر کہا۔ "مجھے تو لگتا ہے کہ صدمے سے شہریار کے دماغ پر اثر ہو گیا ہے۔"

وہ تینوں افسوس سے سر ہلاتے رہے اور شہریار کو دیکھتے رہے جو ان کے سامنے بیٹھا مسکرا رہا تھا۔

"نہ میری طبیعت خراب ہے۔" شہریار نے کچھ دیر کے بعد کہا۔ "اور نہ دماغ۔ میں تمہیں بالکل صحیح رپورٹ دے رہا ہوں۔ چوکیدار لالو نے یہ چکر کئی دنوں سے چلا رکھا ہے۔ جو لڑکے اس سے رپورٹ کارڈ لیتے ہیں ان کے پاس دو رپورٹ کارڈ ہو جاتے ہیں۔ ایک وہ اسکول میں رکھتے ہیں۔ اصلی والا۔ اور جعلی والا اپنے گھر والوں کو دکھا کر مطمئن کر دیتے ہیں۔ بیچاروں کے گھر والے یہی سمجھتے ہیں کہ ہمارا لڑکا اوّل آرہا ہے۔ اچھے نمبر حاصل کر رہا ہے۔ ان کو کبھی علم ہی نہیں ہو پاتا کہ ان کا لڑکا فیل ہو رہا ہے۔ یا اس کے نمبر خراب آرہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" سرفراز نے کہا۔ "فرض کرو کہ تمہاری اطلاع درست ہے۔ فرض کرو کہ لالو واقعی جعلی رپورٹ کارڈ فروخت کر رہا ہے۔ پھر۔؟ تم کیا چاہتے ہو۔؟"

"میں سمجھ گیا۔" ضیاء نے نعرہ لگایا۔ "شہریار چاہتا ہے کہ لالو سے ہم لوگ بھی چار عدد رپورٹ کارڈز خرید لیں۔!"

"یہ مذاق کا وقت نہیں ہے دوستو۔" شہریار نے آہستہ سے کہا۔ اس کے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی کہ سب سنجیدہ ہو گئے۔ انہیں اچانک اپنے فرض کا

احساس ہوگیا تھا۔ وہ عام لڑکے نہیں تھے۔ "حق اسکواڈ" کے رکن تھے۔ برائی کو ختم کرنا ان کا فرض تھا۔

"جنگ کا وقت آگیا ہے دوستو۔" شہر یار نے کہا۔ "اب ہمیں آگے بڑھنا ہے۔ وار کرنا ہے — اور کامیاب ہونا ہے۔ اپنے دشمن کو اچھی طرح پہچان لو۔ اس کا نام لالو ہے۔ اس کے ساتھیوں کو بھی پہچان لو۔ وہ ہمارے اسکول کے نالائق ترین لڑکے ہیں۔ جو پڑھائی میں دلچسپی نہیں لیتے۔ رعایتی نمبروں سے پاس ہوتے ہیں اور آوارہ گردی میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔ ہمیں اس گروہ کو اس خاموشی سے صاف کرنا ہے کہ کسی مجرم کو وقت سے پہلے کچھ پتہ نہ چل سکے۔ ہم برائی کے خلاف جہاد کر رہے ہیں۔ خدا یقیناً ہماری مدد کرے گا۔"

ان چاروں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ مسکراہٹ ان چاروں کے لبوں پر تھی۔ اور روشنی ان کی آنکھوں میں اور دل میں تھی۔

"حق اسکواڈ" — میدانِ عمل میں آچکا تھا —!

ہر روز کی طرح اس دن بھی لالو نے صبح ہوتے ہی اپنا اسٹول نکالا اور اسکول کے گیٹ کے پاس جا بیٹھا۔ اس کے ہاتھ میں وہ اخبار تھا جو اسکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب کے نام آتا تھا۔ جب تک یہ بچے نہیں آتے تھے اس وقت تک وہ اطمینان سے اخبار پڑھتا رہتا تھا۔ ویسے تو اس کے ذمے بہت سے کام تھے لیکن وہ کام چور تھا۔ وہ نہ ہر روز کلاسوں کی صفائی کرتا تھا اور نہ دوسرے کام کرتا تھا۔ بچے خود ہی اپنی اپنی ڈیسک صاف کر لیتے تھے۔ دن بھر میں لالو کا کام یہ تھا کہ وہ چھٹی سے پہلے بچوں کو باہر نہیں نکلنے دیتا تھا اور ہر پیریڈ کے بعد گھنٹہ بجا دیتا تھا۔

جب سے اس نے اسکول کے لڑکوں کو جعلی رپورٹ کارڈ فراہم کرنے کا کاروبار شروع کیا تھا۔ اس وقت سے اس کی آمدنی میں بھی اچھا خاصہ اضافہ ہوگیا تھا۔ اب وہ اکثر شام کو فلم دیکھنے بھی جایا کرتا تھا۔ اور رات کا کھانا بھی خود پکانے کے بجائے کسی مہنگے سے ہوٹل میں کھاتا تھا۔

ابھی صبح کے سات ہی بجے تھے کہ اسکول کا ایک طالب علم آپہنچا۔ لالو کو سخت حیرانی ہوئی۔ کیونکہ اسکول آٹھ بجے لگتا تھا اور ایک گھنٹہ قبل کوئی طالب علم نہیں آتا تھا۔

"خیریت تو ہے پتر۔" لالو نے پوچھا۔ "اتنی سویرے سویرے چاند کیوں نکل آیا۔؟"

جلدی اسکول پہنچنے والا یہ طالب علم شہریار تھا۔ اس نے کہا۔ "میں تم سے ملنا چاہتا تھا لالو۔ کچھ بات کرنی تھی ـــ اور بات ایسی تھی کہ سب لڑکوں کی موجودگی میں نہیں کی جا سکتی تھی۔"

"آؤ آؤ سوہنے پتر ـــ" لالو کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ جعلی رپورٹ کارڈ لینے کا ایک اور خواہشمند آپھنسا ہے۔ "آؤ۔ ادھر منڈیر پر بیٹھو۔ کہو۔ کیا بات ہے۔؟"

"بات ..... بات ...... ایسی ہے ...." شہریار نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ "کہ .... مجھے کہتے ہوئے ..... ذرا ڈر لگتا ہے ..... کہیں تم ....."

"نہیں نہیں۔ پتر۔" لالو نے شہریار کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "مجھ سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں تو تمہاری ہر طرح کی مدد کرنے کو تیار ہوں۔"

"بات یہ ہے کہ ..... وہ ..... وہ رپورٹ کارڈ ....." شہریار کہتے کہتے رک گیا۔

"اوہو۔ اتنی سی بات ہے۔" لالو نے ہنس کر کہا۔ "بھئی۔ فکر کرنے کی کیا بات ہے۔ دوسری رپورٹ کارڈ چاہئے نا۔ مل جائے گی۔ بس۔ اتنی سی بات تھی۔!"

"میں تمہارا احسان مند رہوں گا۔" شہریار نے کہا۔ "اگر تم میری مدد کرنے پر تیار نہ ہوتے تو گھر پر میری بڑی ٹھکائی ہوتی۔ اس مرتبہ کے ماہانہ ٹیسٹ میں، میں چار مضامین میں فیل ہو گیا ہوں۔ میرے ابو تو میری چمڑی ادھیڑ دیتے۔"

"فکر ہی نہ کر پتر۔" لالو نے کہا۔ "اور کسی سے ذکر نہ کر۔ تیرا مسئلہ حل ہو گیا۔"

"مجھے کتنے پیسے دینے ہوں گے۔؟" شہریار نے پوچھا۔

"پیسے۔!" لالو ہنسا۔ "پیسے بڑے معمولی ہیں۔ رپورٹ کارڈ کے میں پچاس روپے لوں گا۔ اور اس کے بعد ہر مہینے دس روپے دینے ہوں گے۔"

"پچاس روپے۔!" شہریار نے آنکھیں پھیلا کر کہا۔ "یہ تو بہت ہیں۔"

"بہت کہاں ہیں۔" لالو نے سرگوشی کے انداز میں اس کے قریب آکر کہا۔ "اپنے ابو کی

جیب میں سے خاموشی سے نکال لینا۔ بس۔ ایک دفعہ کی ہی تو بات ہے۔ اس کے بعد دس روپے ماہوار تو تم اپنے جیب خرچ میں سے بچا کر دے سکتے ہو۔"

"اچھا۔" شہریار نے سر جھکا کر کہا۔ "ٹھیک ہے۔ میں دو تین دن میں تمہیں پیسے دے دوں گا۔ لیکن دیکھو۔ کسی کو خبر نہ ہو۔ میرے کچھ دوست بھی ایسی ہی پریشانی کا شکار ہیں۔ ہو سکتا ہے انہیں بھی تمہاری مدد کی ضرورت پڑے۔"

"ہاں۔ ہاں۔ ہم تو ہر وقت ہر ایک کی مدد کرنے کیلئے تیار ہیں۔" لالو بے ہنگم طریقے سے ہنسا۔ شہریار نے اس سے ہاتھ ملایا اور اسکول کے اندر داخل ہو گیا۔

پھر کیا ہوا؟ لالو پکڑا گیا یا حق اسکواڈ کے ارکان کی شامت آگئی۔ یہ آئندہ شمارہ میں پڑھیے

فریبِ نظر

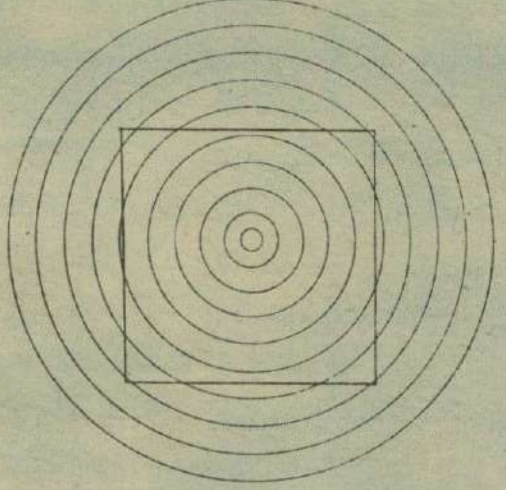

اس دائرے کے درمیان بنے ہوئے چوکور کی لکیریں اگر ٹیڑھی نظر آ رہی ہیں تو اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں، اسکیل کی مدد سے خود دیکھ لیجئے۔

کلاس رُوم

احمد حاطب صدیقی

"مس آرہی ہیں ...... مس آرہی ہیں"

منو نے شور مچایا۔ ماریہ نے آخری بار چیونگ گم کا بڑا سا غُبارہ بنایا اور "پٹاخ" سے پھوڑ دیا۔ گُگو جلدی جلدی کہانیوں کی کتاب بستے میں چھپانے لگا۔ فہمی نے ہڑبڑا کر لولی پوپ کو "کرُر کرُر" چبا ڈالا اور گڈّو اُچک کر کرُسی پر بیٹھنے کی کوشش میں کرُسی سمیت الٹ گیا۔

اتنے میں مس اپنے ہاتھ میں پرس لئے، ناک کی پُھننگ پر چشمہ جمائے شیشوں کے اوپر سے

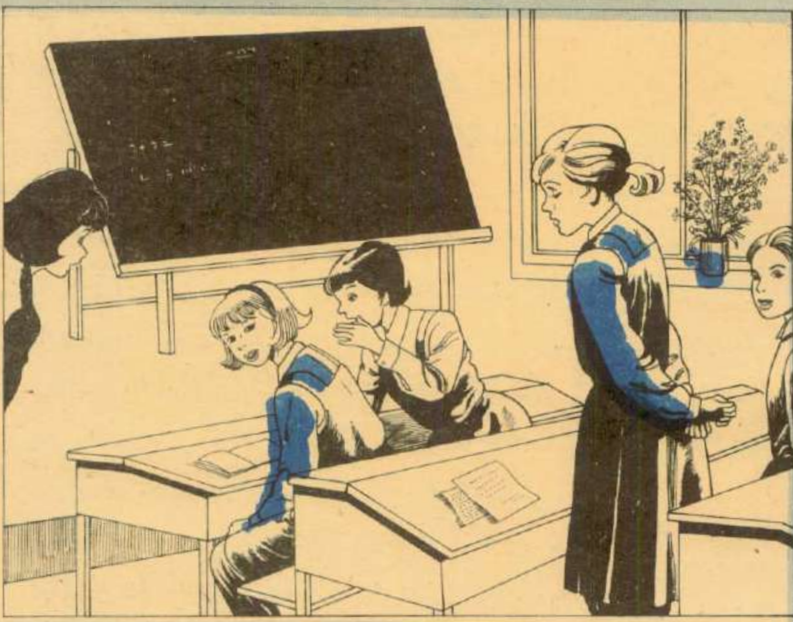

جھانکتی ہوئی، اندر تشریف لے آئیں۔

"گڈو! یہ کیا ہو رہا ہے؟ تم نے کرسی بھی زمین پر لٹائی ہوئی ہے اور خود بھی لیٹے ہوئے ہو، چلو کرسی کو اٹھا کر بٹھاؤ، اور خود بھی اس پر بیٹھو"

"مس! میں کرسی پر بیٹھ ہی تو رہا تھا۔ مگر یہ شیطان خود ہی لیٹ گئی اور "چرخ چوں۔ چرخ چوں" کر کے اپنی شرارت پر ہنسنے بھی لگی"۔

گڈو نے لیٹے لیٹے مس سے شکایت کی۔ اور سب بچے اُس کی بیوقوفی پر ہنسنے لگے۔ خود مس کا بھی قہقہہ نکل گیا۔

پھر اچانک مس صاحبہ کو خیال آیا کہ وہ تو مس ہیں، انہیں ہنسنا نہیں چاہیے۔ لہٰذا انہوں نے اپنے چہرے پر سنجیدگی طاری کی اور بولیں:

"تم لوگ میری شکل کیا دیکھ رہے ہو؟ چلو اس کی مدد کرو"۔

پھر کسی نے کرسی اٹھائی، کسی نے کتابیں، کسی نے کاپیاں، کسی نے جیومیٹری بکس، لیکن جب گڈو کو اٹھانے لگے تو سب کا سانس پھول گیا۔

"مس یہ تو بہت بھاری ہے!" ماریہ نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"آخر مس آپ بھی اس کو اٹھائیں نا!" منو نے بے بسی سے فریاد کی۔

"بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔ میں مس ہوں، تم سب مل کر اٹھاؤ" مس نے اپنا چشمہ پھر ناک کی پھننگ پر جماتے ہوئے کہا۔

آخر سب بچوں نے مل جل کر گڈو کو اس طرح کھڑا کیا جیسے شامیانے والے بانس کھڑا کرتے ہیں۔ گکو، فہمی، منو اور ماریہ نے اُس کو جھاڑنے پونچھنے کے بہانے اچھے خاصے دھپ لگا دیے۔ اگر دو چار دھپ اور پڑتے تو گڈو میاں رو ہی جاتے۔ جلدی سے مس نے بڑھ کر اُسے دوسرے بچوں سے چھڑایا اور کرسی تھام کر کھڑی ہو گئیں تاکہ اس مرتبہ بھی کہیں بیٹھنے کی کوشش میں گڈو صاحب لم لیٹ نہ ہو جائیں۔ گڈو صاحب کی تخت نشینی بلکہ کرسی نشینی کی رسم خیریت کے ساتھ مکمل ہوگئی تو مس نے اپنی ناک پر سے سرکتا ہوا چشمہ ایک مرتبہ پھر درست کیا۔

"اچھا بچو! سب سے پہلے حساب کا پیریڈ ہوگا۔ گکو تم "ٹو" کا ٹیبل سناؤ"

"ٹو ٹا ٹیبل۔؟" گکو میاں نے تتلا کر پوچھا اور سوچ میں پڑ گئے!

" چلو منو تم سناؤ!" مس نے منو کو منہ چھپاتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

" مس ٹوٹا ٹیبل آپ کو دکھا سکتا ہوں۔ وہ پڑا ہوا ہے۔ سناؤں کیسے؟"

" دو کا پہاڑہ بے وقوف، گڈو چونک کر بڑبڑایا۔ پھر سنبھل کر مس کی طرف متوجہ ہوگیا اور لہک لہک کر سنانا شروع کردیا۔

دو اکم دو بے وقوف
دو دونی چھ بے وقوف
دو تیاں چھ بے وقوف
دو چوک آٹھ بے وقوف
دو پنجے دس بے وقوف ...."

" بس۔ بس۔ بس بے وقوف، یہ تم سے کس بے وقوف نے کہا تھا کہ بیوقوفوں کا پہاڑہ سناؤ"

" مس آپ ہی نے تو کہا تھا!" گڈو معصومیت سے بولا۔

" اچھا ماریہ، تم سناؤ، لیکن بے وقوفوں کا نہیں، صرف دو کا پہاڑہ سنانا"
اور ماریہ نے آنکھیں میچ کر سنانا شروع کیا۔

" صرف دو اکم دو
صرف دو دونی چار
صرف دو تیاں چھ ....."

مس نے اپنا سر پکڑ لیا۔ اور غصے میں چلائیں:

" اچھا — حساب کا پیریڈ ختم — ماریہ آنکھیں کھولو" اور ماریہ نے پٹ سے آنکھیں کھول کر منہ بند کرلیا۔

" تمہارے منہ میں کیا ہے؟ مس نے اس کا منہ کھولنے کی کوشش کی۔

" چنگم!" ماریہ نے زبان نکال کر چنگم مس کے ہاتھ پر اگل دیا۔

" آخ — گندی۔ کلاس میں چنگم کھاتے ہیں؟ — چلو مرغا بن جاؤ" مس نے سزا سنائی۔

" مرغا نہیں — مرغی!" گگو نے مس کی اصلاح کی۔

اور ماریہ شرافت کے ساتھ "مرغی" بن گئی۔ اُس کی فراک کی جیب سے پٹ پٹ چیونگ گم کی گولیاں گرنے لگیں۔

"مس! مُرغی، انڈے بھی دے رہی ہے!" نھی خوشی سے چلّایا۔ اور سب بچّے اپنی اپنی کرسیوں سے کود کود کر چیونگ گم پر جھپٹ پڑے، ماریہ بھی کان چھوڑ کر اُٹھ کھڑی ہوگئی۔ اور جھپٹ جھپٹ کر لُوٹے ہوئے چیونگ گم واپس چھیننے لگی۔

"کیا ہنگامہ ہو رہا ہے؟!!!" مس نے زوردار جھاڑ پلائی۔

"پتہ نہیں۔ مس پتہ نہیں" سب بچّوں نے بیک آواز معصومیت سے کہا اور اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھتے ہوئے ایسے بن گئے جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

"ماریہ! تم بھی بیٹھ گئیں؟" مس نے ماریہ کو موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دیکھ کر اُسے آنکھیں دکھائیں۔

"مس معاف کر دیں!" ماریہ نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔

"اچھّا اب اردو کا پیریڈ شروع ہو رہا ہے، پہلے میں ایک قصہ سناؤں گی۔ پھر آپ لوگوں سے اُس کے بارے میں سوالات کئے جائیں گے۔ سب بچے غور سے سنیں" یہ کہہ کر مس نے کھنکھار کر اپنا گلا صاف کیا ہی تھا کہ سب بچّوں کو کھانسی شروع ہوگئی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے یہ کلاس روم نہیں بلکہ کسی اسپتال کا "کھانسی وارڈ" ہے۔

"خاموش ـــ خاموش! اب تم لوگ کھانسے تو ایک ایک کی پٹائی کروں گی"

گُڈّو نے اپنے منہ پر جلدی سے ہاتھ رکھ لیا اور آنکھیں بند کر کے کُرسی سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ منّو نے کاغذ کی ایک پھریری بنائی اور اُس کی ناک میں گھسیڑ دی۔ اُس نے گھبرا کر بُرا سا منہ بنایا اور ایک عظیم الشان چھینک ماری۔ بس پھر کیا تھا، دیکھتے ہی دیکھتے پوری کلاس چھینکنے لگی۔

"بند کرو یہ مصنوعی چھینکیں! پہلے گلے میں تکلیف تھی، اب ناک میں شروع ہوگئی!" بے چاری مس کا ان شیطان بچّوں نے ناک میں دم کر دیا تھا۔

"ہو ہو، ہو ہو، ہو ہو" ماریہ نے دادی امّاں کے سے انداز میں سُکھ کا سانس لیا۔ اور کلاس پر سنّاٹا طاری ہوگیا۔ سب کی دلی خواہش تھی کہ ماریہ کو سزا ملے اور مس اُسے دوبارہ مُرغی بنائیں۔ مگر ماریہ بھی بہت چالاک تھی اُس نے احتیاطاً چیونگ گم پہلے ہی چپکے سے جیومیٹری

بکس میں رکھ دیئے تھے۔ خیر اس کی نوبت نہیں آئی۔ مس نے خاموشی کو غنیمت جانا اور اردو کا پیریڈ شروع کرتے ہوئے بولیں:

"اب میں قصہ سنانا شروع کرتی ہوں آپ لوگ غور سے سنیں بعد میں ہر ایک سے میں سوالات پوچھوں گی"۔ یہ کہہ کر انہوں نے اپنی ناک کی پھننگ پر سے پھسلتا ہوا چشمہ پھر درست کیا اور بولیں۔

"کسی گاؤں میں کوئی لکڑہارا رہتا تھا۔ اُس کے سات لڑکے تھے، ساتوں کے ساتوں آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے ایک دن جب لکڑہارا مرنے لگا تو ...."

"مس! یہ لکڑہارا ایک دن کیوں مرنے لگا؟" فہمی نے ہاتھ کھڑا کر کے سوال پوچھا۔

"اس لئے کہ اس سے پہلے اُس کو مرنے کا موقع نہیں ملا ہوگا" ماریہ نے اُس کی طرف منہ گھما کر اُسے نرمی سے سمجھایا اور مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ "بے چارا صبح سے شام تک لکڑیاں چیرنے میں مصروف جو رہتا ہوگا۔ تمہاری طرح فالتو تھوڑی تھا کہ ہر وقت مارنے مرنے پر تلا رہتا"

"مس لکڑہارا کہاں رہتا تھا؟" منو نے اچانک چونک کر پوچھا۔

"کسی گاؤں میں؟" مس نے جھنجھلا کر جواب دیا۔

"مس! کسی گاؤں میں کون رہتا تھا؟" گگو جو اب تک منہ کھولے چھت کی طرف دیکھ رہا تھا اچانک ہوش میں آگیا۔

"لکڑہارا رہتا تھا۔ احمق" مس نے تنگ آکر جواب دیا۔

"اچھا احمق تھا تبھی تو گاؤں میں رہتا تھا۔ عقلمند ہوتا تو شہر میں لکڑیوں کا ٹال کھول لیتا"۔ گڈو نے رائے دی۔

"مس اُس کے سات کیا تھے؟" نہمی نے پوچھا

"لڑکے تھے!" اب مس کا پارہ چڑھتا جا رہا تھا۔

"کتنے لڑکے تھے مرحوم کے؟" ماریہ نے رونی صورت بنا کر پوچھا۔

"سات۔ سات۔ سات" مس نے دانت کچکچا کر جواب دیا۔

"یعنی اکیس تھے۔ باپ رے باپ، ہاکی کی دو ٹیمیں گھر بیٹھے بن سکتی تھیں۔ بس وہ تو آپس میں دوستانہ میچ بھی کھیلتے ہوں گے" گگو نے حساب لگا کر سوال کیا۔

"اکیس نہیں صرف سات تھے اور ہر وقت آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے، دوستی بالکل نہیں تھی۔"

مِس نے انتہائی غصّے کے عالم میں جواب دیا۔

"مِس وہ ہر وقت آپس میں کیا کرتے رہتے تھے؟" ماریہ نے منہ میں چیونگ گم ڈالتے ہوئے پوچھا

"لڑتے رہتے تھے، بالکل تمہاری طرح بدتمیز اور نالائق تھے" مِس تو اب رُوہانسی ہوگئی تھیں۔

ماریہ نے ناک چڑھائی اور مِس نے اس کے تھپّڑ جڑ دیا۔ گگّو نے انگوٹھے سے اوپر کا ہونٹ اٹھا کر بھوت کی شکل بنائی اور مِس نے اُس کے ایک ہاتھ لگا دیا۔ گڈّو صاحب نے بیٹھے بیٹھے منہ چڑا دیا اور مِس نے اُس کو پیٹ ڈالا۔ کلاس روم میں رونا پیٹنا مچ گیا۔ شور کی آواز سن کر امّی آگئیں۔

"کیسی آفت مچا رکھّی ہے تم لوگوں نے، دیکھتے نہیں گھر میں مہمان بیٹھے ہوئے ہیں اور تم لوگوں نے یہاں شور و غوغا مچایا ہوا ہے،، اور نگہت تم یہاں کیا کر رہی ہو، یہ اپنے ابّو کا چشمہ کہاں سے اٹھا لائیں؟"

"امّی ہم لوگ اسکول۔ اسکول کھیل رہے تھے۔ یہ بجّو کی بچّی مِس بنی ہوئی تھیں۔ انہوں نے ہم سب کی پٹائی کی ہے" ماریہ نے روتے ہوئے جلدی سے شکایت کردی۔

"چلو نگہت! چل کر برتن سمیٹو" امّی "مِس صاحبہ" کو ساتھ لے گئیں اور بچّوں نے نعرے بلند کئے:

"مِس کی بچّی ـــ دال دال کچّی!!!"

آئیے بنیں
"آرٹسٹ"

کچھ راہنمائی
ہم نے کر دی ہے
تھوڑی سی کوشش
آپ بھی کیجئے
بی بطخ کو مکمل
کر دیجئے خوبصورتی
اور نفاست شرط ہے

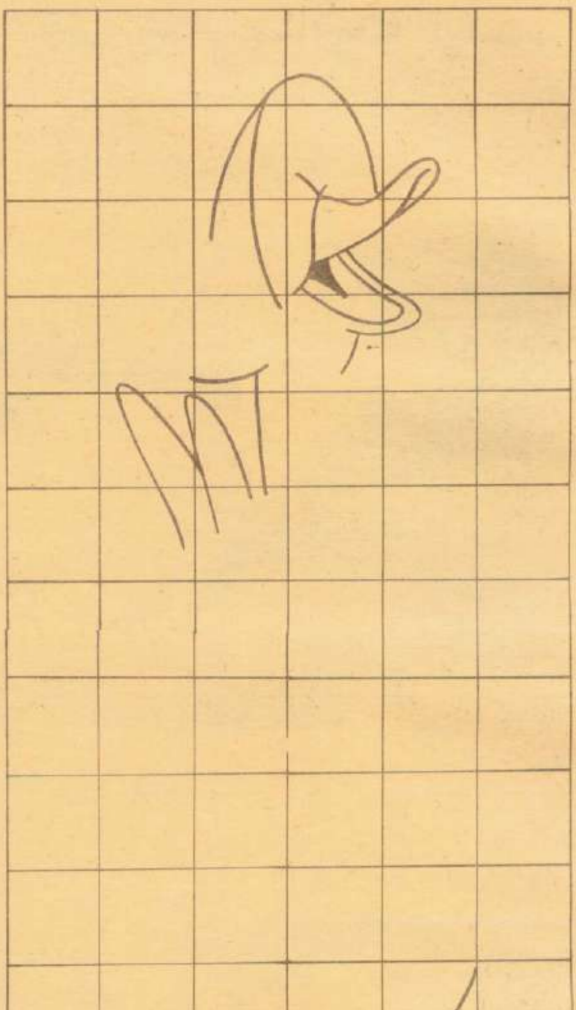

۷ ستمبر یومِ فضائیہ (پاکستان)

۶ ستمبر یوم دفاعِ پاکستان اور ۷ ستمبر یوم فضائیہ ہے
ان ایام میں تجدید عہد کیجئے۔ پاک فوج سے محبت کیجئے۔

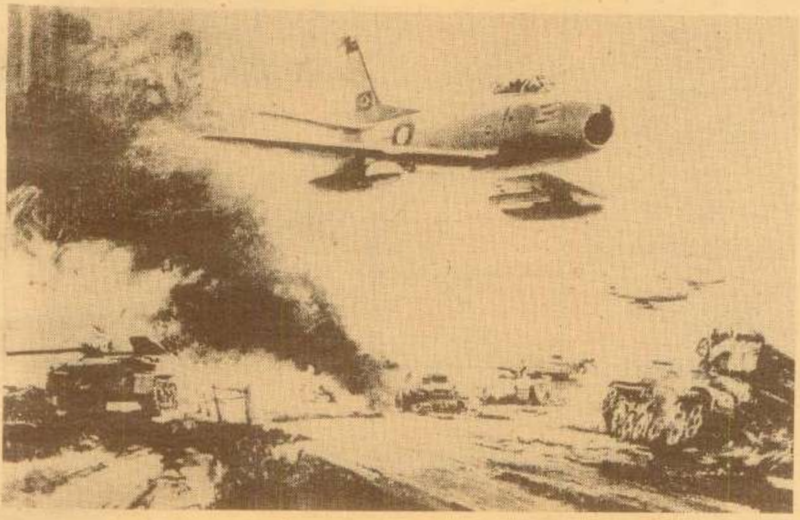

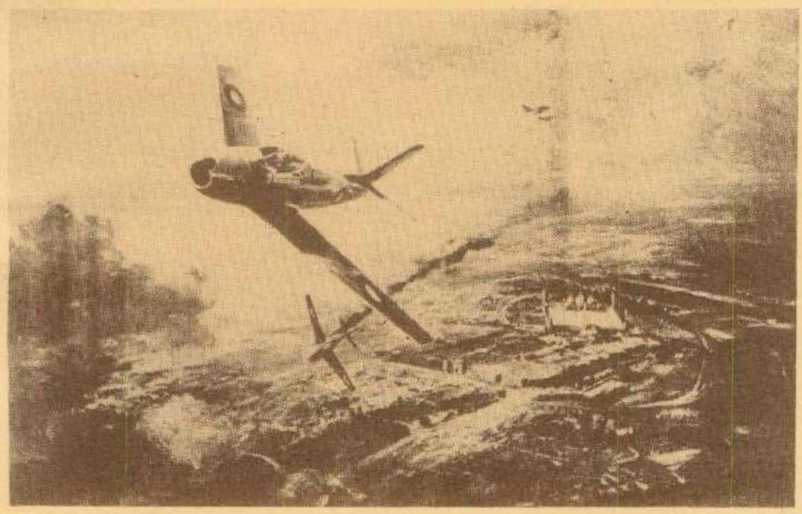

ملّی نغمہ

اسلم فریدی، کراچی

میرا وطن، میری زمیں۔
اللہ نے بخشا مجھے یہ خطۂ ارضِ حسیں۔
میرا وطن، میری زمیں۔
رنگیں فضا، مہکی ہوا، یہ گیت گاتی وادیاں
افکار کی، کردار کی خوشبو لٹاتی وادیاں
میرے امیرِ کارواں کی جلوہ گاہِ دلنشیں
میرا وطن، میری زمیں۔
قائد کی یہ تصویر ہے، اقبال کا یہ خواب ہے۔
انعام کی صورت میں یہ اک تحفۂ نایاب ہے۔
ہشیار ہیں، بیدار ہیں، اس کے مکاں اسکے مکیں۔
میرا وطن، میری زمیں۔
اس کا نشاں میرا نشاں، اسکی بقا میری بقا۔
اسکی خودی میری خودی، اسکا خدا میرا خدا۔
مجھ پر عیاں، مجھ میں نہاں، میرا گماں میرا یقیں۔
میرا وطن، میری زمیں۔
پروردگارِ دوجہاں کے نام ہے یہ زندگی۔
جس کے کرم سے چھٹ گئی ہے جسم وجاں کی تیرگی۔
دن کے اجالوں کی طرح روشن ہے یہ دل کی جبیں۔
میرا وطن، میری زمیں
اللہ نے بخشا مجھے یہ خطۂ ارضِ حسیں۔
میرا وطن، میری زمیں
میرا وطن، میری زمیں

انڈس
پاکستان میں پہلی مرتبہ
آسٹرو پاک
کلپر فین
برقی پنکھوں کی ٹیکنالوجی میں آسٹرین سائنس کی اختراعی پیشکش
آپ کے حکم کے تابع - بغیر ہاتھ لگائے
حکم کریں پنکھا چلے
حکم کریں پنکھا رُکے
وال/ٹیبل/پیڈسٹل فین کے بطور اِستعمال کیا جاسکتا ہے۔
* بجلی کے خرچ میں ۵۰ فیصد بچت * غیر معمولی ہلکا پنکھا
* شاک پروف * انتہائی خوشنما * اسٹریملائنڈ باڈی
* بے حد پائیدار * زنگ سے محفوظ - آواز سے مبرا
* متعدد پائیدار رنگوں میں دستیاب
* تحفے تحائف میں دینے کے لئے بے نظیر
ایک سال کی گارنٹی
کوئی شکایت ہو تو فون 233667 کرکے فوری ہوم سروس حاصل کیجئے۔
البرخت پاکستان (پرائیویٹ) لمیٹڈ
پہلی منزل، نسروانجی بلڈنگ، مچھی میانی روڈ، کراچی۔ فون ۲۳۳۶۶۷
MASS

دوسری اور آخری قسط سائنسی کہانی

جن دادا آپ !!

سلیم الطبع

کاشف، آصف، کلیم اور کامران آپس میں بڑے اچھے دوست تھے وہ چاروں ایک ہی کلاس میں پڑھتے تھے۔ کھیلنے اور پڑھائی کو یکساں وقت دیا کرتے تھے اس لئے ان کی آپس میں چوٹیں چلتی تھیں۔ اور کوئی مسئلہ الجھ جاتے تو اس کو آپس میں ایک دوسرے کا نقطہ نظر سننے کے بعد حل کر لیا کرتے تھے۔

ایک روز کاشف نے ـــــ "الہ دین کا چراغ" نامی کتاب اسکول کی لائبریری سے لی اور اس کو پڑھنے کے بعد اس کا ذہن اس بات پر الجھ گیا کہ کتاب کے مطابق جن جو کچھ کرتا ہے اور کتاب میں بیان کردہ جن کی حرکات و سکنات موجودہ سائنس کے کسی اصول پر پوری نہیں اترتی ہیں۔ اس بات پر وہ آصف سے بحث کر رہا تھا۔

کاشف کے خیال میں انگوٹھی کے رگڑنے سے جن کا حاضر ہونا ناممکن ہے۔ لیکن پھر بھی اس نے آصف کے کہنے میں آکر ایک پرانی سی انگوٹھی زمین پر رگڑ دی اور اچانک کمرے میں دھواں پھیل گیا۔ اور ان لوگوں کو ایسا محسوس ہوا کہ ان کے سر پر سے کوئی جہاز بغیر سائیلنسر کے گزر گیا ہے۔

"کک کک کون ہو تم ؟! ......" کاشف خوفزدہ ہوتے ہوئے بھی رعب دار آواز میں بولنے کی کوشش کرنے لگا۔

"میں ہوں جن ابن جن ابن جن ابن جن ابن ...."

"بس بس کاش کہ تم نے اردو معلی پڑھی ہوتی" کلیم اپنے حواس ٹھکانے لگا کر جن کو اردو گرامر کی مار دینے لگا۔ "ورنہ تم اپنے آپ کو صرف ایک نجیب الطرفین اور خاندانی جن کہہ کر بھی متعارف کرا سکتے تھے"

"ٹھیک ہے وہی وہی نجی - بہتر - فین"

بچوں نے "نجیب الطرفین" کا حلیہ بگڑتے دیکھ کر ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

"مجھے کس لئے یاد فرمایا ہے میرے آقا" جن ناراض ہوتے ہوئے بولا۔

"کیا تم اس انگوٹھی کے یا ہمارے غلام ہو؟" آصف نے کاشف کی جانب معنی خیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہم جن لوگ کسی مخلوق کے غلام نہیں ہوتے ہم صرف اپنے خالق کے غلام ہوتے ہیں۔"

"تو پھر تم نے ابھی ابھی ہم لوگوں کو آقا کہہ کر کیوں مخاطب کیا ہے" کاشف نے کسی وکیل کی طرح جرح شروع کردی

"وہ تو ہم جن آپ کو احترام کے طور پر آقا کہتے ہیں۔ جس طرح آپ ایک دوسرے کو سرکار حضور، جناب عالی، مائی باپ وغیرہ کہتے ہیں اور فارسی بولنے والے تو سب ایکدوسرے کو آقا آقا پکارتے پھرتے ہیں۔"

"اچھا اگر تم اس انگوٹھی کے غلام نہیں ہو تو انگوٹھی رگڑنے سے تم کو کس طرح معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ کسی نے تم کو بلایا ہے" کامران کیسے چپ رہ سکتا تھا۔

"آقا جب آپ کو کلیم صاحب فون کرتے ہیں تو آپ فون اٹھالیتے ہیں اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ آپ ٹیلی فون کے غلام ہیں" جن سمجھاتے ہوئے مودبانہ انداز میں بولا "بس اسی طرح میرے پاس ایک آلہ ہوتا ہے جب کوئی انگوٹھی رگڑتا ہے تو وائرلیس کی طرح میرے پاس سگنل آجاتا ہے کہ کسی نے مجھے یاد کیا ہے۔"

"مگر یہ تم پنجابی فلموں کے ہیرو کی طرح ہو ہو ہا ہا کرتے ہوئے کیوں آتے ہو؟ شریف آدمیوں کی طرح کیوں نہیں آتے؟ کلیم نے سوال کیا۔

"یہ تو ہم آپ کے بلاوے کے جواب میں ہیلو ہیلو کرتے ہیں۔" جن معصومیت سے بولا۔

"اچھا تو پھر تم کو یہ کیسے معلوم ہو جاتا ہے کہ جس نے تم کو بلایا ہے وہ کہاں ہے" کاشف نے اپنی جرح جاری رکھتے ہوئے پوچھا۔

"آقا آپ نے اپنے کورس میں ریڈار کے بارے میں پڑھا ہوگا۔ بس یوں سمجھئے یہ میرے پاس بھی ایک چھوٹا سا ریڈار ہوتا ہے جو انگوٹھی کے بارے میں پتا لگاتا رہتا ہے۔"

"اچھا کیا تمہارے پاس کوئی سلیمانی ٹوپی ہوتی ہے جو تم اچانک نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہو۔ پھر اچانک سامنے آجاتے ہو" کاشف نے جن کو زچ کرنے کی کوشش کی۔

"لیکن آقا آپ تو سائنس کے طالب علم ہیں آپ سلیمانی ٹوپی پر کب سے یقین کرنے لگے" جن

کاشف کوزچ کرتے ہوتے بولا" دراصل ہمارے جسم کی ساخت ایسی ہے کہ ہم ٹوپی نہیں اوڑھ سکتے"
" ارے ہاں ہم یہ تو بھول ہی گئے تھے کہ تمہارے سر پر سینگ بھی ہوتا ہے وہی جو گدھے کے سر سے غائب ہو گیا ہے۔" کلیم شرارت سے بولا۔
" آقا مجھے توہین پسند نہیں۔ آپ لوگ تو پڑھے لکھے ہیں۔ شریفانہ زبان استعمال کریں۔ یہ سینگ نہیں اینٹینا ہے۔ میرے ریڈار کا اینٹینا۔"
" مگر وہ غائب ہو جانے والی ترکیب کیا ہے"؟ کاشف بھلا اپنی بات گول ہوتے کس طرح دیکھ سکتا تھا۔
" دراصل ہمارے جسم میں ایک ایسی قوت ہوتی ہے کہ ہم فوراً ہوا میں ریزہ ریزہ ہو کر تحلیل بھی ہو سکتے ہیں۔ اور پھر اپنی اصل حالت میں واپس بھی آ سکتے ہیں۔" جن وضاحت کرتے ہوئے بولا۔
" لیکن جب تم ہوا میں تحلیل ہوتے ہو تو تمہارے ذرّات کا وہ حشر نہیں ہوتا جو ہوائی جہاز سے گرائی ہوئی پرچیوں کا ہوتا ہے" کامران نے وضاحت چاہی۔
" جی نہیں بلکہ ہمارا حشر ٹی وی کی تصویر والا ہوتا ہے کہ ہم ہوا کے دوش پر بھی بکھرنے نہیں پاتے بلکہ ہر موقع پر پہلی سی حالت میں آجاتے ہیں۔"
" تو یہ کیوں نہیں کہتے کہ تمہارا حشر نشر ہو جاتا ہے" کلیم نے پھر ذو معنی چوٹ کی۔
" جی ہاں آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نشر ہو جاتے ہیں"۔ جن نے اپنا "نشریاتی رابطہ" قائم رکھا۔
" اچھا یہ بتاؤ کہ تم یہ طرح طرح کے کھانے پینے کی چیزیں کس طرح لے آتے ہو۔" آصف رال ٹپکاتے ہوئے بولا۔
" بازار سے خرید کر" جن نے سوکھا سامنہ بناتے ہوئے جواب دیا۔
" مگر اتنی جلدی کیسے لے آتے ہو" کاشف پھر جرح کے موڈ میں تھا۔
" اپنے نشریاتی رابطہ کے ذریعے" جن وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ " دراصل ہر وہ چیز جو ہمارے ہاتھ میں ہو ہمارے ساتھ ہوا میں تحلیل ہو جاتی ہے اور جب ہم کسی جسم کی صورت میں آتے ہیں تو وہ چیز بھی اسی طرح ہمارے ساتھ اصلی حالت میں آجاتی ہے۔"
" لیکن یہ بڑے بڑے محل اور درخت وغیرہ جو تم اٹھا لیتے ہو یہ کس طرح اٹھاتے ہو" کامران نے سوال کیا۔

"آپ لوگ کیسے طالب علم ہیں، ابھی کل ہی آپ کے سر اکرام نے آپ کو ہائیڈرالک سسٹم کے بارے میں پڑھایا ہے۔ بس اسی سسٹم سے اٹھالیتے ہیں" جن نیم ناراضگی سے بولا

"اچھا یہ تو بتاؤ تم کو کس طرح پتا چلا کہ ہم نے کل ہی سر اکرام سے ہائیڈرالک سسٹم کے بارے میں پڑھا ہے" کاشف بڑی دور کی کوڑی لایا۔

"دراصل ہم جنات سائنس میں جناتی ترقی کر گئے ہیں اور ہمارے پاس ایک ایسا آلہ ہوتا ہے جس سے ہم ہر کسی کی یادداشت پڑھ سکتے ہیں جس طرح پرسوں آپ کا ریڈیو خراب ہوگیا تھا تو مکینک نے ایک میٹر سے اس کے سرکٹ کی خرابی معلوم کرلی" کاشف کو ٹکا سا جواب مل گیا۔

"اچھا ہاں جن صاحب یہ تو بتایئے کہ آپ مختلف جانوروں کی شکل میں کس طرح آجاتے ہیں" کلیم خاصی دیر بعد بولا اور کفن پھاڑ کر بولا۔

"دراصل وہ جانور نہیں ہوتا بلکہ اس کی فوٹو اسٹیٹ ہوتی ہے" جن مسمسی سی صورت بناکر بولا۔

"کیا مطلب" کاشف چونکتے ہوئے بولا۔

"بھئی سیدھی سی بات ہے جس طرح پرسوں کلیم میاں نے اپنی مارکس شیٹ کی فوٹو اسٹیٹ کرواتے ہوئے دیکھا تھا کہ دکاندار نے مشین کے اوپر ان کا کارڈ رکھا اور نیچے سادہ کاغذ رکھ کر مشین چلادی مشین چند لمحوں کے لئے چلی اور سادے کاغذ پر ان کی مارکس شیٹ کی فوٹو چھپ گئی بالکل اسی طرح ایک مشین میں اوپر مطلوبہ جانور کھڑا ہوتا ہے اور نیچے جن لیٹا ہوتا ہے بس مشین چلی اور جن پر وہ جانور چھپ گیا۔

"اچھا تو پھر جن واپس اپنی حالت میں کس طرح آتا ہے؟" آصف نے ضمنی سوال کیا۔

"انک ریموور (INK REMOVER) کے ذریعے" جن نے پھر مختصر جواب دینا ہی کافی سمجھا۔

"اچھا جن صاحب یہ جو سنتے ہیں کہ جنوں کی عمریں بڑی لمبی ہوتی ہیں اس کا کیا راز ہے" کامران نے سوال کیا۔

"دراصل ہم جنات کسی جن کو ڈاکٹر نہیں بننے دیتے" جن نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"اچھا جن صاحب یہ بتائیں کہ یہ الہ دین کی انگوٹھی کاشف کی دادی اماں کے پاس کیسے آگئی" آصف نے کاشف کی طرف شرارت سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"دراصل کاشف کی دادی الہ دین کی پوتی ہیں"۔ کامران نے کاشف کو چھیڑتے ہوئے جن کے لہجے میں جواب دیا۔
"پھر تو الہ دین کا چراغ بھی انہی کے پاس ہوگا"۔ کلیم کیسے پیچھے رہ سکتا تھا۔ "کہاں رکھا ہے۔ وہ چراغ"
بھئی وہ کٹوری جس میں کاشف کی دادی کتھا رکھتی ہیں وہ ہی تو الہ دین کا چراغ ہے"۔ کامران پھر بولا۔
"بری بات بچو! بزرگوں کا مذاق نہیں اڑایا کرتے۔ میں ایک بات واضح کر دوں کہ ہم جن لوگ کسی انگوٹھی یا چراغ کی وجہ سے نہیں آتے بلکہ ان کو رگڑنے میں جو محنت کی گئی ہوتی ہے ہمیں وہ محنت کھینچ لاتی ہے اور دراصل چراغ یا انگوٹھی رگڑنے سے مراد محنت کرنا ہے اور جن کے آنے سے مراد محنت کا پھل ملنا ہے جو کوئی بھی محنت کرے گا اس کو اسی طرح کامیابی حاصل ہوگی کوئی ضروری نہیں کہ سچ مچ کا جن ہی آکر تحفہ دے بلکہ محنت خود اپنا انعام دیتی ہے اور یوں آج کل الہ دین کا یہ چراغ یعنی "محنت" جاپانیوں کے پاس ہے دیکھو کس طرح ان کو اس کا پھل مل رہا ہے"۔
"ارے باپ رے باپ" کامران بولا "جاپانیوں نے تو محنت کی .... اوہ میرا مطلب ہے کہ اس چراغ کی نقل میں بہت سارے چھوٹے چھوٹے چراغ بنالئے ہونگے"۔
"ہاں ہاں بالکل! بعض بے وقوف اس چراغ کو مائیکرو کمپیوٹر کہتے ہیں"۔ جن نے فٹا فٹ جواب دیا۔
"اچھا جن صاحب کیا جنات کے پاس بھی کمپیوٹر ہوتا ہے؟" کاشف نے جن کو سائنس کی مار دینا چاہی۔
"ہاں ہم جنات نے سائنس میں جناتی ترقی کر لی ہے اور کمپیوٹر آج سے ہزاروں سال پہلے ایجاد کر لیا تھا جس کی وجہ سے آج ہم اس قابل ہیں کہ حضرتِ انسان کا کوئی بھی کام کر سکتے ہیں اور ان کے کسی بھی سوال کا جواب دے سکتے ہیں"۔
"مگر انسان کو تو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ تم اس کو کس طرح لاجواب کر سکتے ہو؟" کاشف نے پوچھا۔
"ہاں اس سلسلے میں ہم اللہ تعالیٰ کو درخواست دینے کے بارے میں سوچ رہے ہیں کہ اب وہ ہم کو اشرف المخلوقات قرار دے دے"۔ جن کے لہجے میں غرور اور تکبر کی بو آرہی تھی۔
"لیکن تم انسان کے ہر سوال کا جواب نہیں دے سکتے" کاشف نے جن کے غرور کو محسوس کر لیا تھا۔

"ہم جنات کا ریکارڈ ہے کہ ہم آج تک لاجواب نہیں ہوئے" جن پھر غرور سے بولا۔

"اچھا تو پھر میرے ایک سوال کا جواب دو" کاشف جن کے غرور کو توڑنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ غرور تو اللہ میاں کو بھی پسند نہیں ہے۔ جن کو اس کا سبق ملنا چاہیے تھا۔

"ہاں تم بھی اپنے دل کی حسرت پوری کر لو" جن پھر تکبر کے نشے میں مدہوش ہو کر بولا۔

"بتاؤ وہ کون سے ایسے پانچ طاق اعداد ہیں جن کا حاصل جمع بیس ہو" کاشف نے جن کو ریاضی کی مار دیتے ہوئے کہا۔ "پھر اچھی طرح سن لو اعداد پانچ ہوں سارے طاق ہوں (یعنی وہ اعداد جو دو سے تقسیم نہ ہو سکیں) اور حاصل جمع بیس آئے"۔

"تین + تین = چھ + تین = نو + نو = اٹھارہ .... نہیں ...... ایک + تین = چار + پانچ = نو + تین = بارہ ...... نہیں ......" جن اس سوال کے جواب میں چکرا کر رہ گیا اور چاروں بچے آپس میں کہنے لگے دیکھو کیا غرور کرتا تھا۔ آخر انسان کو اللہ میاں نے اشرف المخلوقات بنایا ہوا ہے اس سے کس طرح جیت سکتا ہے۔ جن کو پریشان دیکھ کر بچوں نے مل کر خوشی سے ایک نعرہ لگایا ہپ ہپ ہرے

"یہ لڑکے آج مجھے کام نہیں کرنے دیں گے" دادا جان کے بڑبڑانے کی آواز آنے لگی "ابھی کھینچتا ہوں ایک ایک کے کان" یہ کہتے ہوئے دادا جان کمرے میں داخل ہوئے اور کمرے کا منظر دیکھ کر حیران رہ گئے پھر بڑے زور سے

"ارے دادا جان آپ"

کہتے ہوئے جن سے لپٹ گئے۔

"بچو یہ صاحب میرے دادا کے بڑے گہرے دوست تھے، دادا جان نے بچوں کو بتاتے ہوئے کہا" دادا جان مرحوم کے زمانے سے ہم لوگ ان کو جن دادا کہتے آئے ہیں"

"ارے یہ تو ہمارے دادا ابا کا بھی دادا ابا نکلا" کاشف نے حیران ہو کر کہا اور چکرا کر گرنے لگا۔

"ارے ارے کامران یہ کاشف کو کیا ہو گیا"۔ آصف نے کاشف کو سنبھالتے ہوئے کہا "کاشف! کاشف! ہوش میں آؤ کاشف! یہ تو بیہوش ہو گیا ہے۔ کلیم ذرا بھاگ کر گلاس میں پانی تو لاؤ۔

"یہ لو پانی" کلیم بھاگ کر پانی لے آیا۔

"کاشف اے کاشف اٹھو کاشف آنکھیں کھولو" آصف پانی کا چھینٹا کاشف کے منہ پر ڈالتے ہوئے بولا "کاشف اٹھو بھئی اسکول کو دیر ہو رہی ہے اور آج تو سر اکرام کے پاس مباحثہ بھی کرنا ہے"۔

"ایں میں! کیا مطلب"! کاشف چونک کر اٹھ بیٹھا۔

"مطلب یہ کہ چلو جلدی کرو دیر ہورہی ہے۔" آصف جھنجھلا کر بولا "اور یہ کیا؟ الہ دین کا چراغ تمہارے بستر پر پڑا ہوا ہے۔

"تو کیا وہ سب کچھ خواب تھا" کاشف بڑبڑایا۔

"کیا خواب دیکھ لیا؟" آصف نے پوچھا۔

دراصل میں تم لوگوں کے جاتے ہی کتاب لے کر بستر پر لیٹ گیا تاکہ مباحثے کے لئے مواد جمع کرسکوں پتا نہیں مجھے کب نیند آگئی میں نے دیکھا کہ تینوں پھر آموجود ہوئے اور تم مجھ سے یہ کتاب مانگنے لگے۔۔۔ اور کاشف آصف کو اپنا خواب سنانے لگا۔ ایک ایسا خواب جس میں جن سے ہونے والے مکالمات کا ایک ایک لفظ اب بھی عقل سے قریب تر معلوم ہو رہا تھا۔

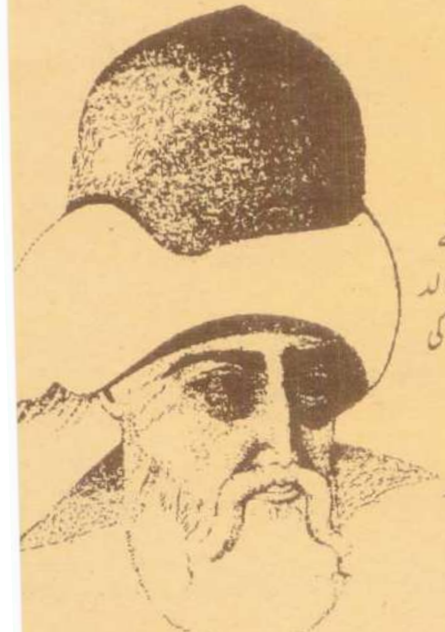

مولانا جلال الدین رومی

۳۰ ستمبر کو خراسان کے شہر بلخ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد بہاؤالدین اپنے زمانے کے مشہور عالم تھے۔ مولانا رومی پہلے اپنے والد محترم کے ایک شاگرد برہان الدین ترمذیؒ کی شاگردی میں رہے پھر ایک درویش شمس تبریز کی صحبت اختیار کی، مولانا رومیؒ کی تحریر کردہ "مثنوی" دنیا کی مشہور ترین نظموں میں شمار ہوتی ہے۔ اس میں مولانا نے تمام مسائل تصوف کو حکایت اور نصیحت آموز افسانوں سے حل کردیا ہے،

ہوئیسٹ

ڈراپس

گلے کی خراش

کیلئے انتہائی موثر

ٹیپو انٹرپرائزز ۹-ڈی پیپلز کالونی، فیصل آباد

چشم دید

ستمبر ۶۵ء کی جنگ کے موقعہ پر دو
بیرونی نامہ نگاروں کے تاثرات جو
انہوں نے اپنے اداروں کو بھجوائے۔

میں اب پاکستانی محاذ سے واپس جارہا ہوں میرے پیچھے کچھ فاصلہ پر دھان اور باجرے کے کھیتوں کے درمیان ایک پوری بکتر بند ڈویژن کے باقیات، ٹوٹے پھوٹے مڑے تڑے بکھرے پڑے ہیں۔ اس لڑائی میں جو دوسری عالمگیر جنگ کے بعد ٹینکوں کی سب سے بڑی جنگ تھی ہندوستان کی پوری ایک ڈویژن کا پانچواں حصہ سرے سے تباہ کردیا گیا ہے پاکستان کی تپتی ہوئی دھوپ میں آج موت کی باس گھلی ہوئی ہے، کیونکہ یہ وہ مقام ہے جہاں پاکستان نے ہندوستان کی حملہ آور فوجوں کے قدم قطعی طور پر روک دیئے ہیں۔

وہ جتنی بھی کمک پہنچا سکتے تھے، لاتے رہے اور اس لڑائی میں جھونکتے رہے لیکن پاکستانی ان کے پے درپے ریلوں کو پسپا کردیتے تھے۔ نعروں کے شور میں پاکستانی فوجیں ہر حملہ کا منہ توڑ جواب دیتی رہیں اور بار بار ہندوستانی فوج کو پسپا کرتی رہیں۔ ہر درخت کے نیچے ایک دو جیپیں کھڑی رہتیں تھیں جو "بزوکا" سے مسلح ہوتی تھیں۔ ادھر لڑائی سے تھکے ماندے پاکستانی سپاہی جب اپنے ڈیرے پر پہنچتے تھے۔ توسب کے لبوں پر ایک نعرہ ہوتا تھا ——— "فتح"

نامہ نگار ڈیلی مرر لندن

مجھے صحافت میں قدم رکھے ہوئے بیس برس ہوچکے ہیں مگر میں آج تک ان پاکستانی سپاہیوں سے زیادہ پُراعتماد، فتح پر یقین کرنے والے اور کامیاب سپاہی کہیں نہیں دیکھے جو اس وقت پاکستان کے دفاع کی خاطر جنگ کر رہے ہیں۔

ہندوستان اپنی فتوحات کے ڈھول پیٹ رہا ہے مگر اس کی فتح کے آثار کہیں نظر نہیں آتے ہاں میں یہ ضرور دیکھتا ہوں کہ محاذ جنگ کی طرف جانے والے پاکستانی سپاہیوں، ٹینکوں اور سامان جنگ کا تانتا بندھا ہوا ہے اگر ہندوستانی ہوائی بیڑہ اتنا ہی کامیاب اور فتح یاب ہے جتنا کہ ہندوستان دعویٰ کرتا ہے تو اس سلسلے کو روکنے کی کوشش کیوں نہیں کرتا؟ بات یہی ہے کہ پاکستانی ہوائی جہازوں نے ہندوستانی ہوائی بیڑے کو فضا سے مار بھگایا ہے۔

یہ پاکستانی پیدائشی جانباز ہیں اور رعایت نہ اپنے لئے چاہتے ہیں نہ دوسرے کے ساتھ جنگ اور خاص کر ایسی جنگ میں جیسی کہ اس وقت پاکستان اور ہندوستان میں ہو رہی ہے دونوں فریق اپنی کامیابیوں کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں مگر دونوں میں سے کون کامیاب ہوگا؟ اگر یہ شرط لگائی جائے تو میں اپنی رقم "پاکستان کی کامیابی" پر لگاؤں گا۔

پاکستان کا دعویٰ ہے کہ اس نے ہندوستان کے ہوائی بیڑے کا ۱/۳ حصہ تباہ کر دیا ہے۔ غیر مبصرین کا کہنا ہے کہ پاکستان کے ہوا باز دعویٰ کرتے ہیں کہ انہوں نے اس سے بھی زیادہ جہاز شکار کئے ہیں مگر پاکستانی ہوائی فوج کے سربراہ ان دعوؤں کو تسلیم کرنے میں حد سے زیادہ احتیاط برت رہے ہیں۔ اور صرف انہی دعوؤں کو درست سمجھتے ہیں جن کی تصدیق دوسرے ذرائع سے بھی ہو جاتی ہے۔

۱۵ ستمبر ۱۹۶۵ء — روائے میلونی نامہ نگار امریکن براڈکاسٹنگ کارپوریشن

پاکستان — ہمارا پیارا وطن، جہاں ہم رہتے ہیں، جس کی دھرتی پر ہم شب و روز چلتے پھرتے ہیں، جس کی سرزمین پر ہم آباد ہیں۔ یہ یونہی نہیں قائم ہوگیا بلکہ اس کے لئے ہمارے اسلاف نے بے بہا قربانیاں دیں، پاکستان بنانے کی مہم میں اپنی عزیز ترین چیزیں جان و مال قربان کردیئے، اور یہی نہیں بلکہ ہندوستان کے مختلف علاقوں سے اپنے ورثہ و جائیداد کو چھوڑ کر یہاں آباد ہوئے تاکہ اس ننھے اور نوزائیدہ ملک کو مستحکم بنانے میں معاون ہو سکیں۔

سب سے اچھے
سب کی پسند

کیوڑہ
انناس
پستہ
بادام
گلاب
خس
کیلا

لیمن
اورنج
رسبھری
اسٹرابری
آئس کریم
بریانی
زعفران

UCI

یو-سی-آئی
فلیورنگ ایسنس

۴۰/ روپے کی خصوصی بچت۔ دوہرا فائدہ

ماہنامہ آنکھ مچولی کے ۱۲ شماروں کی سالانہ قیمت (مع خصوصی شمارے و رجسٹری ڈاک خرچ) ۱۱۰ روپے ہوتی ہے لیکن اگر آپ ہماری خصوصی بچت اسکیم کے تحت ماہنامہ آنکھ مچولی سال بھر کے لئے منگوائیں گے تو آپ کو دو فائدے ہوں گے۔

رجسٹرڈ ڈاک سے منگوانے کی صورت میں زرِ سالانہ ۱۱۰ روپے کے بجائے صرف ۷۰ روپے ادا کرنا ہوگا۔ اس طرح آپ کو ۴۰ روپے کی خصوصی بچت ہوگی۔ عام ڈاک سے منگوانے کی صورت میں آپ کو صرف ۴۰ روپے ادا کرنا ہوں گے

آنکھ مچولی کے حصول کے لئے آپ ہر طرح کی زحمت سے بچ جائیں گے اور گھر بیٹھے ہر شمارہ مارکیٹ میں آنے سے قبل آپ کو بذریعہ ڈاک ارسال کر دیا جائے گا۔

آپ چاہیں تو زرِ سالانہ بذریعہ منی آرڈر بھی بھجوا سکتے ہیں۔ چیک قابل قبول نہ ہوگا

رجسٹرڈ ڈاک خرچ سمیت زرِ سالانہ ۷۰ روپے۔ عام ڈاک خرچ سمیت زرِ سالانہ ۴۰ روپے

میں مبلغ ——— روپے (زرِ سالانہ) کے عوض ماہ ——— سے ماہنامہ آنکھ مچولی کی خصوصی بچت اسکیم میں شامل ہونا چاہتا/ چاہتی ہوں۔ مجھے آنکھ مچولی وی پی کر دیجئے۔

نام و پتہ: ____________________

تاریخ ____________ دستخط ____________

آنکھ مچولی

محمد امان دل

آنکھ مچولی ایک رسالہ
ہے بچوں کے پڑھنے والا
اس کی نظمیں ہیں معیاری
باتیں اس کی پیاری پیاری
اس میں چند لطیفے بھی ہیں
اچھے اچھے قصے بھی ہیں
اس میں کھیل ذہانت کا ہے
قصہ علم و حکمت کا ہے
معلومات بڑھائے گا یہ
ہر دل پر چھا جائے گا یہ
بچوں کا محبوب رسالہ
واہ بھئی! کیا خوب رسالہ
دل سے نکلی ہے جو بات
بچو! سچی ہے وہ بات

ٹرانزسٹر، ٹارچ اور کھلونوں کیلئے بہترین

الہ دین بیٹری سیل

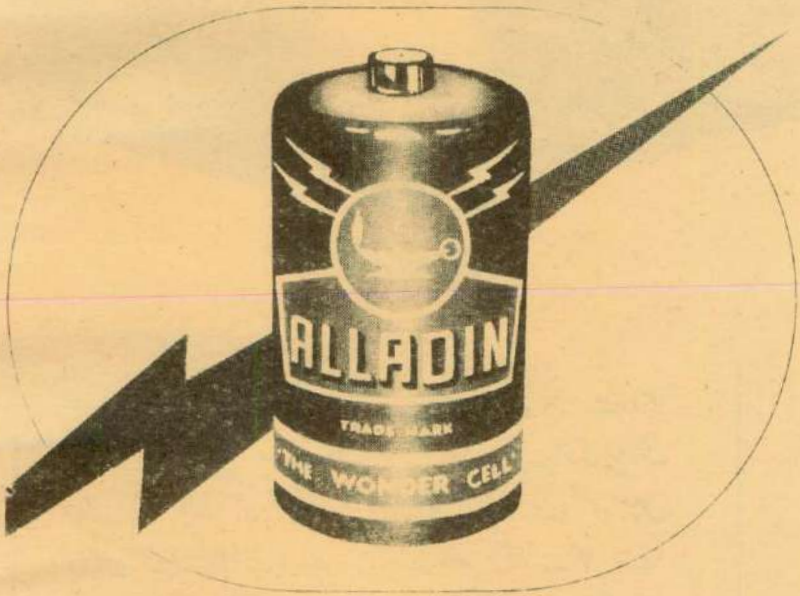

زیادہ قوت — زیادہ دیرپا

مکمل طور پر قابلِ اعتماد - لیک پروف

سچّا شیدائی

فضل ربّی راہی

صبح صادق کا وقت ہے، سپیدۂ سحر ابھی نمودار نہیں ہوئی، مدینہ کی گلیوں میں نیم تاریکی کا راج ہے اور فضا میں مکمل سکوت، ہلکی ہلکی سرد ہوا بھی چل رہی ہے۔

ایسے میں فضا کو چیرتی ہوئی ایک آواز بلند ہوئی۔

"اللہ اکبر — اللہ اکبر"

مدینہ کی بستی میں بستروں میں محو خواب لوگ تڑپ اُٹھے، یہ کیسی آواز ہے، جس نے اُنہیں چونکا دیا ہے۔

"اللہ اکبر — اللہ اکبر"

صدا بلند ہو رہی تھی۔ "اشہدان لاالہٰ الا اللہ —" مسجد نبوی سے اذان کی اس آواز میں کتنا سوز ہے، کتنی درد مندی ہے، لوگ محو حیرت ہیں۔ تھوڑی ہی دیر میں گلیاں لوگوں سے بھر گئی ہیں، جس جس کے کانوں میں یہ آواز پڑتی ہے اُس کا گھر میں رُکنا محال ہوتا جارہا ہے، بڑے، بوڑھے، بچّے اور خواتین سب کا رخ مسجد نبوی کی طرف ہے، کوئی تیز تیز چل کر آرہا ہے، کوئی دوڑ کر آرہا ہے، کسی کی آنکھوں سے آنسو رواں ہیں، برسوں کے بعد آج معمول سے کہیں زیادہ لوگ نظر آرہے ہیں — اور مسجد نبوی کے منبر سے حضرت بلال حبشیؓ اذان دے کر اُتر رہے ہیں، برسوں کے بعد آج حضرت بلالؓ نے اذان دی ہے لوگ گلے مل مل کر رو رہے ہیں — اور خود حضرت بلالؓ کی آنکھوں سے بھی آنسو رواں ہیں، حضرت عمرؓ نے بہت اصرار کر کے آج انہیں اذان فجر دینے پر آمادہ کیا ہے کیونکہ رحلت نبیؐ کے بعد آپؓ شام چلے گئے تھے، حضور کی یاد نے بہت تڑپایا تو مدینہ آکر قبر مبارک پر حاضری دی۔

حضرت بلالؓ کے والد کا نام رباح اور والدہ کا نام حمامہ تھا۔ آپ کا آبائی وطن حبشہ تھا۔ اسی لئے آپ کو حبشیؓ کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے،

ساتھیو۔ حضرت بلالؓ مکہ مکرمہ میں ایک کافر عورت کے غلام تھے، اسی حالت میں اسلام قبول کیا، کافروں کو ہر ممکن ایذا پہنچاتے تاکہ وہ اسلام چھوڑ کر دوبارہ جاہلیت کی طرف لوٹ آئیں۔

حضرت بلالؓ کو مکہ کا کافر اُمیّہ بن خلف دوپہر کی تپتی ہوئی گرمی میں پتھریلی زمین پر لٹا کر اُن کے سینہ پر پتھر کی بھاری سل رکھ دیتا اور کہتا — "اسلام چھوڑ دو، زندگی مل جائے گی۔ ورنہ اسی حالت میں مر جاؤ گے" مگر آپ صبر و ہمت کا پیکر — اُسے ایک ہی جواب دیتے "احد — احد" یعنی اللہ ایک ہے اور میں خدائے واحد کو چھوڑ کر بتوں کو خدا نہیں مان سکتا، آپ کو زنجیروں سے باندھ کر مکہ کے اوباش اور شرارتی لڑکوں کے سپرد کر دیا جاتا، جو دن بھر آپ کو گلیوں میں گھسیٹتے پھرتے — عذاب دینے والے تھک جاتے مگر آپؓ ایمان کے جذبے سے سرشار صرف خدائے واحد کو پکارتے، آخر کار ان کے دکھ اور مصیبت کو دیکھ کر حضرت ابو بکرؓ نے ان کے مالک کو مُنہ مانگی قیمت دے کر آزاد کر دیا۔

اس کے بعد باقیماندہ زندگی میں آپؓ نے خود کو اسلام کے لئے وقف کر دیا اور نبی کریمؐ کی صحبت میں رہنے لگے۔ آپ کی آواز بہت بلند تھی، اونچے مقام پر کھڑے ہو کر پکارتے تو آواز کئی میل دور تک جاتی تھی، جب ایک مجلس میں اذان کی تجویز سامنے آئی اور حضرت عمرؓ نے ہی اذان کے کلمات بھی پیش کئے تو نبی کریمؐ کی نظرِ عنایت آپ ہی پر ٹھہری اور یوں تاریخ اسلام میں پہلی اذان آپ ہی کے لبوں سے بلند ہوئی، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارک تک مسجد نبویؐ میں اذان کے فرائض آپ ہی کے سپرد رہے، بہت کم ایسا ہوا کہ بلالؓ کے بجائے کوئی اور اذان دے، مختلف سفروں اور غزوات میں بھی حضرت بلالؓ نبی کریمؐ کے ساتھ ہوتے۔

حضرت بلال حبشیؓ نہ صرف حضور اقدسؐ کی مسجد کے موذن تھے بلکہ آپ کے خزانچی بھی تھے۔ جب کوئی ضرورت مند آپؐ کے پاس آتا تو آپؐ بلالؓ کو حکم فرماتے اور حضرت بلالؓ ضرورت مند کی ضرورت پوری کرنے کا اہتمام فرماتے،

رحلت نبی کریمؐ کا آپ کو بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح بے انتہا صدمہ ہوا، منبر پر اذان دینے کے لئے کھڑے ہوتے تو حضور یاد آ جاتے، آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں ہو جاتے [illegible] گلا رُندھ جاتا

نبی کریمؐ سے اتنی محبت کے باعث آپ کی حالت غیر ہو جاتی ۔ حضرت ابوبکرؓ نبی کریمؐ کے بعد خلیفۃ المسلمین مقرر ہوئے تو اُن کے مشورے سے آپ شام چلے گئے ۔

کئی برسوں کے بعد آج آپ مدینہ آئے تھے اور مسجد نبوی میں اذان دی تھی ، صبح صادق کے وقت جب اہل مدینہ کے کانوں میں وہی مانوس آواز آئی تو لوگ بے اختیار تڑپ اُٹھے ۔ انہیں دَورِ نبوی یاد آگیا ۔۔۔ اور لوگ اس قدر روئے کہ اس سے قبل کسی روز بھی اتنے مرد وخواتین کو روتے ہوئے نہیں دیکھا گیا ،

حضرت بلالؓ ۔۔۔ اسلام کے پہلے مؤذن ، مسحور کن آواز کے مالک ، مدینہ میں چند روز قیام کے بعد واپس دمشق تشریف لے گئے ۔ اور ۶۳ سال کی عمر میں وفات پائی ۔۔ رضی اللہ عنہٗ

سلطان صلاح الدین ایوبیؒ
عظیم فاتح
جس نے ساری عمر
یہودیوں سے جنگوں میں بسر
کی اور مسلمانوں کا
قبلہ اوّل آزاد کرایا
عمل ، عارف یحییٰ

ڈاکٹریات

عارف یحییٰ

ڈاکٹر : آپ کو کیا تکلیف ہے۔

مریض : میں جب صبح اٹھتا ہوں تو آدھے گھنٹے تک چکر آتے رہتے ہیں۔

ڈاکٹر : تو آدھا گھنٹہ دیر سے اٹھا کریں۔

خوشخبری

ڈاکٹر مریض سے : اجمل صاحب مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو ایک بُری خبر سنانے والا ہوں تاہم میرے پاس آپ کے لیے ایک خوشخبری بھی ہے۔

مریض : ڈاکٹر صاحب پہلے مجھے وہ بُری خبر سنا دیں۔

ڈاکٹر : بُری خبر یہ ہے کہ ہمیں آپ کی دونوں ٹانگیں کاٹنی پڑیں گی اور اچھی خبر یہ ہے کہ اگلے بیڈ پر جو مریض ہے وہ آپ کے جوتے خریدنا چاہتا ہے۔

ننھے ہاتھ ننھی تحریریں

توبہ

مرسلہ، درینہ حمید
اسٹاف ٹاؤن، جامعہ کراچی

عالم پور ایک خوش حال قصبہ تھا۔ یہاں پر سب ہی طرح کے لوگ رہتے تھے۔ یوں تو بہت سارے بچے بھی یہاں رہتے تھے۔ مگر ارشد، انور، راشد اور علی کا شمار شرارتی بچوں میں ہوتا تھا، یہ بچے شرارتی ہی تھے بلکہ بعض دفعہ ایسی شرارتیں کرتے جن سے لوگوں کو تکلیف اٹھانی پڑتی۔

جمعہ کا دن تو ویسے بھی چھٹی کا ہوتا ہے

اس لئے یہ لوگ ناشتہ کرتے ہی گھروں سے نکل آئے۔

ارشد: یار بہت دنوں سے کوئی کھیل نہیں کھیلا چلو کچھ کھیلتے ہیں۔

مگر کھیل ایسا ہونا چاہیے جس میں کوئی شرارت ضرور ہو۔ راشد بولا۔ تو پھر سب مل کر سوچتے ہیں انور بولا۔

آخر چند منٹ بعد علی نے خوشی سے سر اٹھایا اور بولا۔ میرے ذہن میں ایک ایسا کھیل آیا ہے جس میں شرارت ہی شرارت ہے

وہ کیسے؟ انور بولا۔

بھئی ہم یوں کرتے ہیں کے محلے کے بلب توڑیں گے جس نے سب سے زیادہ توڑے وہ جیت جائے گا سمجھے!

واہ، واہ کیا ترکیب ہے۔ کھیل کا کھیل اور مزے کا مزہ ۔سب بہ یک زبان بولے۔

تو پھر آؤ اب جگہ سوچتے ہیں! یوں کرتے ہیں کہ علی کے گھر کی چھت پر چڑھ جاتے ہیں۔ ٹھیک ہے تو پھر آؤ علی بولا۔

چاروں چپ چاپ دبے پاؤں چھت پر پہنچ گئے، ہتھیلوں میں پتھر تو وہ پہلے سے ہی بھر لائے تھے۔ جوں ہی سڑک خالی ہوتی وہ لوگ نشانہ لگاتے اس طرح کوئی ایک گھنٹے میں انہوں نے دس پندرہ بلب توڑ دیئے۔

علی کا نشانہ سب سے اچھا تھا۔ اس لئے وہ جیت گیا۔

علی نہایت ہی شرارتی بچّہ تھا۔ یوں لگتا تھا کہ جب تک کوئی شرارت نہ کرے کھانا ہضم نہیں ہوگا۔

اسی قصبے میں ایک غریب کمہار بھی رہتا تھا۔ نام تو اس کا پتہ نہیں کیا تھا۔ مگر پورا قصبہ اُسے "چاچا کمہار" کہتا تھا۔

چاچا کمہار اکیلا دور ایک ٹوٹی پھوٹی کٹیا میں رہتا تھا۔ وہ مٹی کے برتن بنا کر گزارا کیا کرتا تھا۔

ایک دن چاروں بچوں نے مل کر پروگرام بنایا کہ "چاچا کمہار" کے ساتھ کوئی شرارت کرنی چاہیے۔

وہ روزانہ غلیل سے پتھر مار کر اُس کے چار پانچ برتن توڑ دیا کرتے تھے چاچا کمہار جانتا تھا کہ اس کے برتن کون توڑ دیتا ہے مگر وہ زبان سے کچھ نہ کہتا!

چاچا کمہار ہر روز اپنے برتن دھوپ میں سوکھنے کے لئے رکھتا تھا۔ ایک دن چاروں نے پروگرام بنایا کے غلیل سے تو صرف چار پانچ یا زیادہ سے زیادہ دس برتن توڑے جاتے ہیں۔ اگر ایک بڑا پتھر پھینک دیا جائے تو سارے برتن ٹوٹ سکتے ہیں۔

اب سارے بچّے انتظار کرنے لگے کہ کب چاچا کمہار برتن دھوپ میں رکھے۔ وہ بیٹھے رہے آخر ایک گھنٹے کے بعد چاچا کمہار نے برتن لاکر رکھنے شروع کر دیئے۔ ابھی مشکل سے دس پندرہ برتن ہوئے ہوں گے کہ بچوّں نے ایک بڑا سا پتھر برتنوں کی طرف اُچھال دیا۔ اِدھر چاچا کمہار اور برتن لے کر آرہا تھا وہ برتنوں کو رکھنے جھکا ہی تھا کہ بدقسمتی سے وہ پتھر اُس کے سر پر آ لگا اور وہ چیخ مار کر گر پڑا۔ اُس کا سر پھٹ چکا تھا اور خون بڑی تیزی کے ساتھ بہہ رہا تھا۔

جب چاروں نے یہ صورتحال دیکھی تو یہ سب گھر کی طرف بھاگ گئے۔ آس پاس کے لوگوں نے جب چیخ کی آواز سنی تو دوڑے ہوئے آئے۔

کئی لوگ اُسے اٹھا کر اسپتال لے گئے مگر خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے وہ بیہوش رہا تین گھنٹے بعد اُسے ہوش آیا تو اُس نے قریب رکھا ہوا کاغذ نرس کو دے کر کچھ جملے کہے اور پھر اُس کی گردن ایک طرف کو ڈھلک گئی۔

جب دو دن تک چاچا کمہار نظر نہ آیا تو بچّے ڈرے ڈرے باہر نکلے تو ہر ایک کو یہی کہتے سنا "چاچا کمہار مر گیا اب تو وہ اور بھی زیادہ پریشان ہوئے۔ چاچا کمہار کے گھر کے قریب گئے تو وہاں ایک آدمی بیٹھا زارو قطار رو رہا تھا۔ بچوّں کو دیکھتے ہی بولا تم لوگ انور، راشد، ارشد اور علی ہو؟

چاروں ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے آخر انور نے ہمت کر کے کہا "جی ہاں" یہ خط چاچا کمہار نے تم لوگوں کے لئے دیا ہے لو یہ لو!

انور نے خط لیا اور پڑھنا شروع کیا۔

پیارے بچو!

دُعا اور پیار

مجھے معلوم ہے کہ یہ پتھر تم لوگوں نے پھینکا تھا! مگر اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ بچپن ہوتا ہی شرارتیں کرنے کے لئے ہے مگر بچو ایسی شرارتیں نہ کیا کرو جس سے کسی کو تکلیف ہو۔ میں نے کچھ کھلونے اور ٹافیاں خریدیں تھیں وہ ایک چھوٹے سے صندوق میں میرے کمرے میں پڑی ہیں انہیں لے لو۔ مجھے کوئی غم نہیں ہے بس یہی خوشی ہے کہ شاید میری موت سے تم لوگوں کو کوئی سبق مل جائے۔ اور تم یہ شرارتیں کرنے سے توبہ کرلو بچو! اگر ہو سکے تو میرے لئے مغفرت کی دُعا ضرور کرنا۔

خدا حافظ

چاچا کمہار

خط پڑھ کر چاروں بچّے رونے لگے۔ صندوق اٹھایا اور گھر میں آگئے شام کے وقت

چاروں بچے مسجد میں بیٹھے توبہ کر رہے تھے اور ساتھ ہی چاچا کمہار کے لئے مغفرت کی دعا مانگ رہے تھے۔

آؤ وطن کی شان بڑھائیں
عزت حرمت آن بڑھائیں
اس کا جھنڈا چاند ستارا
یہ پرچم ہے سب سے نیارا
محنت کش۔ اس کے رکھوالے
اس پہ مرنے مٹنے والے
اس کے بچے راج دلارے
علم سے ان کے روشن چہرے
آصف کیوں نہ سب ہوں شاد
سدا رہے یہ دیس آباد

مرسلہ آصف خان ——— محلہ الہہ آباد جہلم

ظالم ماں

مرسلہ۔ ثمینہ ارم نیازی

نواں شہر۔ جھنگ

پچھلے وقتوں میں ملک عراق پر ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ یہ بادشاہ بہت نیک اور رحم دل تھا۔ رعایا اُس سے بہت خوش تھی۔ بادشاہ کی ایک بیٹی اور ایک بیٹا تھا۔ بادشاہ انہیں بہت چاہتا تھا۔ لڑکی کا نام شہزادی چندا اور لڑکے کا نام شہزادہ نور تھا۔ بادشاہ کی بیوی ملکہ کنول اپنے بیٹے اور بیٹی کو بہت چاہتی تھی۔

ایک دفعہ ملکہ کنول اس قدر بیمار ہوئی کہ اس کے بچنے کی کوئی امید نہ رہی۔ بادشاہ نے ملکہ کنول کا بہت علاج کروایا، لیکن ملکہ نہ بچ سکی۔ اور کچھ ہی دنوں کے بعد مرگئی۔ ملکہ کے مرنے کے بعد بادشاہ کے وزیروں اور مشیروں نے بادشاہ کو تنگ کرنا شروع کردیا کہ وہ دوسری شادی کرے۔ آخرکار بادشاہ نے دوسری شادی کرلی۔ سوتیلی ماں نے پہلے پہل تو چندا اور نور سے اچھا سلوک کیا۔ لیکن پھر کچھ ہی دنوں کے بعد اس کا رویہ بدل گیا۔ اس نے چندا اور نور پر ظلم کرنے شروع کردیئے اور بادشاہ کو ان کے خلاف بھڑکانے لگی ——

بادشاہ اس روز روز کے بھڑکانے کی وجہ سے شہزادے اور شہزادی کے خلاف ہوگیا۔ ملکہ نے بادشاہ کو بھڑکایا کہ ان دونوں کو قتل کردیا جائے۔ ملکہ نے کچھ اس طرح بادشاہ کے کان بھر دیئے کہ وہ خود اپنے لخت جگروں کی زندگی ختم کرنے پر آمادہ ہوگیا اور جلاد کو حکم دیا۔ کہ شہزادے اور شہزادی کو جنگل میں لے جاکر قتل کردے۔ جلاد بادشاہ کے حکم سے ان دونوں کو جنگل میں لے گیا۔ لیکن انہیں قتل کرنے کے بجائے جنگل میں چھوڑ دیا۔ اور انہیں

اپنی طرف سے ہیرے اور جواہرات بھی دیئے۔ جنگل میں پہلے پہل تو شہزادی اور شہزادے کو بہت ڈر لگا لیکن کچھ دنوں کے بعد وہ اس زندگی کے عادی ہو گئے اور جن حالات سے ان کو واسطہ پڑا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی سمجھ کر صبر و شکر کیا۔ دونوں نے درختوں سے لکڑیاں کاٹ لیں۔ اور جنگل میں رہنے کے لئے ایک چھوٹا سا مکان بنا لیا۔ شہزادہ روز لکڑیاں کاٹ کر شہر لے جاتا۔ اور ان لکڑیوں کو بیچ کر اپنی ضرورت کا سامان خرید لاتا۔ اسی طرح دونوں بہن بھائی جنگل میں زندگی کے دن گزارتے رہے۔ کچھ عرصہ کے بعد جبکہ شہزادے کے پاس کچھ رقم جمع ہو گئی۔ تو اس نے شہر میں کپڑے کی دکان کھول لی۔ شہزادہ ایک دیانت دار دکاندار تھا۔ وہ کپڑے دوسرے دکانداروں سے سستے بیچتا۔ اس طرح اس کی دکان بہت مشہور ہو گئی۔

اور شہزادہ دیکھتے ہی دیکھتے مالدار ہو گیا

اُدھر بادشاہ کا حال سنیں۔ بادشاہ کی دوسری ملکہ سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ اسی غم میں ملکہ بیمار رہنے لگی۔ اُسے احساس ہو گیا۔ کہ چونکہ اُس نے بے گناہ اور معصوم شہزادے اور شہزادی پر ظلم کئے تھے۔ لہٰذا خدا نے اولاد سے محرومی کی شکل میں اُسے سزا دی ہے۔ ملکہ کی بیماری روز بروز بڑھتی گئی۔ حتیٰ کہ اُس کے مرنے کا وقت آ گیا۔ مرتے وقت اس نے بادشاہ سے اپنے مظالم پر جو اس نے شہزادے اور شہزادی پر کئے تھے۔ معافی مانگی۔ آخر کار وہ مر گئی۔

اب بادشاہ کو اپنے بیٹے اور بیٹی کی یاد بہت ستاتی تھی۔ وہ کف افسوس ملتا تھا کہ اُس نے اپنے پیارے بچوں کو قتل کرنے کا حکم کیوں دیا۔ اسی غم میں وہ بھی بیمار ہو گیا۔ ادھر جب جلاد کو معلوم ہوا کہ بادشاہ اپنی اولاد سے جدائی کے غم میں بیمار ہو گیا ہے۔ تو وہ ڈرتے ڈرتے بادشاہ کے پاس پہنچا۔ اور بتایا کہ اس نے شہزادے اور شہزادی کو قتل نہیں کیا تھا۔ بلکہ وہ ابھی تک زندہ ہیں اُس نے یہ بھی بتایا کہ شہر میں کپڑے کا سب سے بڑا تاجر اس کا بیٹا شہزادہ نور ہے۔

اس بات سے بادشاہ بہت خوش ہوا اور خود ہی اپنے بیٹے اور بیٹی کو ملنے کے لئے تیار ہو گیا لیکن جلاد نے کہا۔ کہ آپ بیمار ہیں۔ شہزادہ اور شہزادی خود آپ سے ملنے کے لئے بیتاب ہیں لہٰذا بادشاہ نے اپنے وزیر خاص کو انہیں بلانے کے لئے بھیجا۔ شہزادہ اور شہزادی خوشی خوشی اپنے باپ کو ملنے شاہی محل چلے آئے۔ اس طرح باپ اور بیٹا بیٹی کی ملاقات ہو گئی۔ اور وہ سب ہنسی خوشی رہنے لگے

قلمی دوستی

آؤ ملائیں ہاتھ

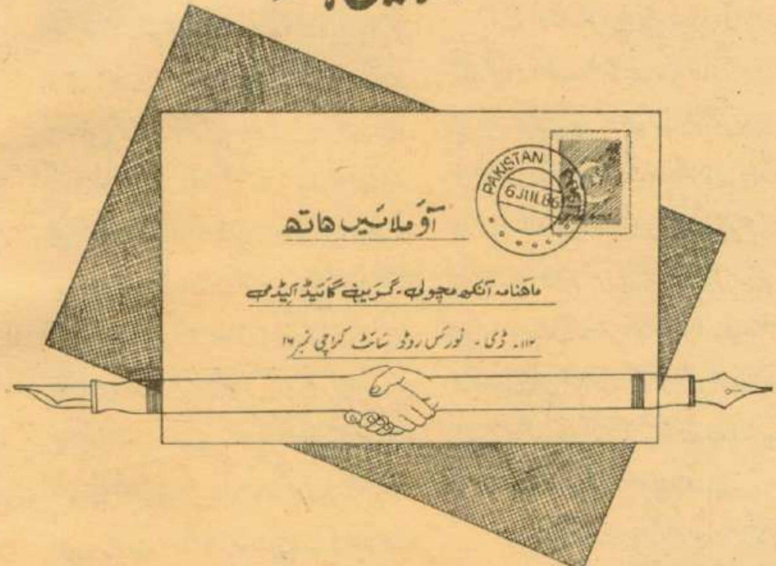

فیصل ریاض، گیارہ سال
جماعت ہفتم، مشاغل کرکٹ کھیلنا
پسندیدہ مضمون، اسلامیات
بڑے ہو کر انجینئر بننا چاہتا ہوں

۴/اے، ۳۱/۴، لانڈھی نمبر ۵ کراچی نمبر ۳۰

خالد ریاض، دس سال
جماعت ششم، مشاغل کرکٹ کھیلنا
پسندیدہ مضمون، حساب
بڑے ہو کر نامور کرکٹر بننا چاہتا ہوں

۴/اے، ۳۱/۴، لانڈھی نمبر ۵ کراچی نمبر ۳۰

امیر حسین امیر، سولہ سال
جماعت ہشتم، مشاغل فٹبال کھیلنا
پسندیدہ مضمون، انگلش
بڑے ہو کر پائلٹ بننا چاہتا ہوں

معرفت سرکٹ ہاؤس نزد ایم ای ایس آفس مالاکنڈ

سید کاظم حسین، چودہ سال
جماعت نہم، مشاغل سکے جمع کرنا
پسندیدہ مضمون، بیالوجی
بڑے ہو کر انجینئر بننا چاہتا ہوں

معرفت امام مسجد بہار مدینہ نزد ڈاکخانہ ملیر کراچی ۳۷

زاہد حسین، پندرہ سال
جماعت دہم، مشاغل شاعری کرنا
پسندیدہ مضمون، حساب
بڑے ہو کر ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں
ایل/۴، ۴/۳ بلاک آئی، شیریں جناح کالونی کلفٹن کراچی

سید جابر فیصل، سولہ سال
جماعت نہم، مشاغل پڑھنا لکھنا
پسندیدہ مضمون، انگلش
بڑے ہو کر انجنیئر بننا چاہتا ہوں
الف/۱۳ شاہ فیصل کالونی بلدیہ ٹاؤن کراچی

محمد آصف، بارہ سال
جماعت ہفتم، مشاغل ہاکی کھیلنا
پسندیدہ مضمون، انگریزی
بڑے ہو کر پائلٹ بننا چاہتا ہوں
مکان نمبر ۱۳ ۶۶ گلی نمبر ۱ گلستان کالونی محمد پورہ لاہور

عابد حسین، آٹھ سال
جماعت چہارم، مشاغل ہاکی کھیلنا
پسندیدہ مضمون، اردو
بڑے ہو کر ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں
شاہد الیکٹرک ورکس، قاضی احمد روڈ نواب شاہ

عبدالرشید، تیرہ سال
جماعت ششم، مشاغل کہانیاں پڑھنا
پسندیدہ مضمون، سائنس
بڑے ہو کر آرمی آفیسر بننا چاہتا ہوں
کارنر نمبر ۱۲۲۵۔ بی/۲۲ شاہی بازار حیدر آباد

اسحاق پرویز، اٹھارہ سال
جماعت دہم، مشاغل، قلمی دوستی
پسندیدہ مضمون، سائنس
بڑے ہو کر انجنئر بننا چاہتا ہوں
مکان نمبر ۵۰۰ گلی نمبر ۸ خطہ مسجد شیر شاہ کراچی

عامر منصور، چودہ سال
جماعت نہم، مشاغل کتابیں جمع کرنا
پسندیدہ مضمون، اردو
بڑے ہو کر پائلٹ بننا چاہتا ہوں
۹/۱۳۰ آصف نگر دستگیر، کراچی

گل شیر علی، پندرہ سال
جماعت دہم، مشاغل اداکاری کرنا
پسندیدہ مضمون، اردو
بڑے ہو کر اداکار بننا چاہتا ہوں
گاؤں و پوسٹ آفس استرزئی، ضلع کوہاٹ سرحد

عامر اقبال، پندرہ سال
جماعت دہم، مشاغل قلمی دوستی
پسندیدہ مضمون، جغرافیہ
بڑے ہو کر ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں
ستار منزل جناح چوک، ٹنڈوالہ یار سندھ

مبارک علی، دس سال
جماعت ششم، مشاغل کرکٹ کھیلنا
پسندیدہ مضمون، دینیات
بڑے ہو کر ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں
گلی نمبر ۲ بوستان کالونی، پیکو روڈ مدینہ مسجد لاہور

ارسلان جلیل، بارہ سال
جماعت ہشتم، مشاغل ٹکٹ جمع کرنا
پسندیدہ مضمون، ڈرائنگ
بڑے ہوکر آرٹسٹ بننا چاہتا ہوں

سی-۱۹۰ بلاک "ڈی"، لطیف آباد نمبر ۶ حیدرآباد

بلیک ٹائیگر، چودہ سال
جماعت نہم، مشاغل، جاسوسی کرنا،
پسندیدہ مضمون، سائنس
بڑے ہوکر سیکرٹ ایجنٹ بننا چاہتا ہوں

معرفت انگلش شوز، بھوانہ بازار، فیصل آباد

کمال حیدر، چودہ سال
جماعت نہم، مشاغل کرکٹ کھیلنا
پسندیدہ مضمون، بیالوجی
بڑے ہوکر انجنیئر بننا چاہتا ہوں

ڈی-۱۰ لف اینڈلی کالونی کراچی

مبشر احمد قادری، چودہ سال
جماعت نہم، مشاغل کتابیں پڑھنا
پسندیدہ مضمون، مطالعہ پاکستان
بڑے ہوکر انجنیئر بننا چاہتا ہوں۔

بی-۲۹۰ بفرزون نارتھ کراچی

حسن یعقوب، سولہ سال
جماعت ہشتم، مشاغل رسائل پڑھنا
پسندیدہ مضمون، سائنس
بڑے ہوکر انجنیئر بننا چاہتا ہوں

دکان نمبر ۱ گلی نمبر، مغل کاٹیج نیو کھڈہ کراچی ۵۲

زین العابدین، سولہ سال
جماعت دہم، مشاغل کرکٹ کھیلنا
پسندیدہ مضمون، کیمیا
بڑے ہوکر ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں

مکان نمبر ۱۳ اسٹریٹ گلی نمبر ۲۰، ۱۰۳ آبپارہ اسلام آباد

محمد ادریس قمر، تیرہ سال
جماعت ہشتم، مشاغل کتابوں کا
مطالعہ، پسندیدہ مضمون، انگلش
بڑے ہوکر انجنیئر بننا چاہتا ہوں

بی-۵ الحمید، ہاؤسنگ سوسائٹی ڈرگ روڈ کراچی ۸

محمد شفیق انجم، چودہ سال
جماعت نہم، مشاغل کرکٹ کھیلنا
پسندیدہ مضمون، انگلش
بڑے ہوکر انجنیئر بننا چاہتا ہوں

نواز کریانہ اسٹور، محلہ محمد نگر، لانڈھی کراچی ۳۶

سہیل صدیق، سولہ سال

جماعت دہم، مشاغل، رسائل میں
حصہ لینا، پسندیدہ مضمون، اردو
بڑے ہوکر ملک وقوم کی خدمت کرنا
چاہتا ہوں۔

محلہ سعد پورہ، گلی نمبر ۲، نعمانیہ روڈ گوجرانوالہ

شرافت علی، پندرہ سال
جماعت دہم، مشاغل، کتب پڑھنا
پسندیدہ مضمون، انگریزی
بڑے ہوکر الیکٹریکل انجنیئر بننا چاہتا ہوں

مکان نمبر ۱۳۰، بلاک نمبر ۱۳ ایوب کالونی حیدرآباد

نسیم احمد خان، نو سال
جماعت پنجم، مشاغل، مطالعہ کرنا
پسندیدہ مضمون، اردو
بڑے ہو کر پائلٹ بننا چاہتا ہوں

ڈی ۱۰/۲۱/۸ سلیم توحید کالونی، کراچی

رضوان احمد، تیرہ سال
جماعت نہم، مشاغل، کہانیاں لکھنا
پسندیدہ مضمون، انگلش
بڑے ہو کر انجنیئر بننا چاہتا ہوں

۹۹/۳/۰۲، فاطمہ جناح کالونی جمشید روڈ کراچی ۵

آصف جمیل، دس سال
جماعت ششم، مشاغل فٹبال کھیلنا
پسندیدہ مضمون، حساب
بڑے ہو کر پائلٹ بننا چاہتا ہوں

معرفت رانا جمیل نزد چونگی نمبر ۲ مہاجر کالونی بہاولنگر

عبدالناصر جواد، پندرہ سال
جماعت دہم، مشاغل، کرکٹ کھیلنا
پسندیدہ مضمون، بیالوجی
بڑے ہو کر پائلٹ بننا چاہتا ہوں۔

جماعت دہم الف، گورنمنٹ ہائی اسکول پتوکی پنجاب

پرنس زرتاج احمد، چودہ سال
جماعت ہشتم، مشاغل رسائل پڑھنا
پسندیدہ مضمون، حساب
بڑے ہو کر انجنیئر بننا چاہتا ہوں

مکان نمبر ۱۲۵، اعظم منگو پیر آباد کراچی ۱۹

براہ کرم طالبات قلمی دوستی کے لئے کوپن نہ بھیجوائیں۔
نامکمل کوپن اور خراب تصاویر ناقابل قبول ہوں گی۔
کوپن اور تصویر کے بغیر قلمی دوستی میں شرکت ممکن نہیں۔
"آو ملائیں ہاتھ" صرف اسکول کے طلباء کے لئے مخصوص ہے

نام ________ عمر ________ کلاس ________
مشاغل ________ بڑے ہو کر کیا بننا چاہتے ہیں ________
اسکول میں پسندیدہ مضمون ________
پتہ ________

ایک صفحہ امّی ابّو کے لئے

بچّے لا دے کی طرح ہیں انہیں ابھی سے جس سانچے میں ڈھالیں ڈھل جائیں گے ... بچے کے عادات واطوار اور اُس کے مزاج کو بنانے یا بگاڑنے میں گھر کے ماحول کا بڑا حصّہ ہے ... بچّے کی شخصیت کو اچھا بنانے اور اُسے مستقبل کا بڑا آدمی بنانے کی فکر ابھی سے کیجئے. ہم دنیا بھر کے بہترین ماہرین نفسیات کی آرار کو آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں ... ماہرین کی رائے آپ کے بچّے کی تربیت میں آپ کی بہترین معاون ثابت ہو سکتی ہے.

جو بچّے "تمسخر" کے ماحول میں پلتے بڑھتے ہیں
وہ "شرمانا" سیکھ لیتے ہیں

جو بچّے "تضحیک" کے ماحول میں پلتے بڑھتے ہیں
وہ "نادم" رہنا سیکھ لیتے ہیں

جو بچّے "بُردباری" کے ماحول میں پلتے بڑھتے ہیں
وہ "تحمل" رکھنا سیکھ لیتے ہیں

جو بچّے "حوصلا افزائی" کے ماحول میں پلتے بڑھتے ہیں
وہ "پُراعتماد" رہنا سیکھ لیتے ہیں

جو بچّے "تعریف و تحسین" کے ماحول میں پلتے بڑھتے ہیں
وہ "ستائش" کرنا سیکھ لیتے ہیں

جو بچّے "غیر جانبداری" کے ماحول میں پلتے بڑھتے ہیں
وہ "عدل" کرنا سیکھ لیتے ہیں

Have a luscious affair with Ahmed´s Apple Jam
AHMEDS
JAM
APPLE

Regd. No. M-266 SEPTEMBER 1986

Monthly **AANKH MICHOLEE** Karachi